دسمبر 2004، شوال ۱۴۲۵ھ

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحسَنَ الحَدِیثِ

ماھنامہ الحدیث حضرو

مدیر

حافظ زبیر علی زئی

نضر الله امرأ سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه

7

مکتبۃ الحدیث

حضرو، اٹک : پاکستان

احسن الحدیث عطاء اللہ سلفی

ابراہیم علیہ السلام اور آزمائش

﴿ وَاِذِابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ﴾

اور ابراہیم (علیہ السلام) کو جب، اُن کے رب نے چند کلمات (باتوں) میں آزمایا تو وہ ان (سب) میں پورے اُترے، اللہ نے فرمایا: میں تجھے لوگوں کا امام بنانے والا ہوں، ابراہیم (علیہ السلام) نے عرض کیا: اور (کیا) میری اولاد سے (بھی یہی وعدہ ہے)؟ فرمایا: میرا یہ وعدہ ظالموں سے نہیں ہے۔ (البقرہ:۱۲۴)

فقه القرآن:

۱: اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے سامنے ابراہیم علیہ السلام کی امامت ظاہر کرنے کے لئے بعض اوامر ونواہی میں انہیں آزمایا۔ اس آزمائش میں وہ ثابت قدم رہے اور کامیاب ہوئے۔ اللہ نے انہیں قیامت تک تمام لوگوں کا امام وپیشوا بنادیا۔

۲: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: اللہ نے جن کلمات کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام کو آزمایا، ان کا ذکر سورۃ الاحزاب (آیت: ۳۵) سورۃ التوبہ (۱۱۲) اور سورۃ المؤمنون (۱ تا ۹) وسورۃ المعارج (۲۲ تا ۳۴) میں ہے۔ دیکھئے تفسیر ابن جریر الطبری (۱/۴۱۴ وسندہ صحیح) وتفسیر القرطبی (۲/۹۷)

۳: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ: اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو طہارت (کے احکام) میں آزمایا، مسواک، ناک میں پانی ڈالنا، کلی کرنا، مونچھیں کتروانا اور سر کے درمیان میں چیر ڈالنا، ناخن تراشنا، شرمگاہ کے بال مونڈنا، ختنہ کرنا، پیشاب اور قضائے حاجت کے بعد، پانی سے استنجاء کرنا اور بغلوں کے بال اُکھاڑنا (تفسیر عبدالرزاق ۱/۶۷ ح۱۱۶ وسندہ صحیح، تفسیر طبری ۱/۴۱۴، ۴۱۵)

سعید بن المسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام نے ختنہ کیا تھا (موطا امام مالک ۲/۹۲۲ ح۱۷۵۷ وسندہ صحیح) امام شعبی رحمہ اللہ (تابعی) بھی کلمات کی تشریح میں ختنے کا ذکر کرتے ہیں (تفسیر طبری ۱/۴۱۶ وسندہ حسن)

۴: حسن بصری (تابعی) رحمہ اللہ ان کلمات کی تفسیر میں: آگ میں پھینکا جانا، گھر بار سے ہجرت اور ختنہ بیان کرتے ہیں (تفسیر ابن جریر طبری ۱/۴۱۶ وسندہ صحیح) اسی طرح اور بھی آزمائشیں ہیں جن میں ابراہیم علیہ السلام آزمائے گئے مثلاً والد کی ناراضی، اکلوتے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کا حکم وغیرہ، ان سب آزمائشوں میں ابراہیم علیہ السلام کامیاب ہوئے۔

۵: اس آیت کریمہ سے ثابت ہے کہ ظالمین یعنی مشرکین امام نہیں بن سکتے، امام فراء (النحوی) فرماتے ہیں: '' لا يكون للناس إمام مشرك '' لوگوں کا امام مشرک نہیں ہوسکتا (الوسیط للواحدی ج۱ ص۲۰۳ ومعانی القرآن للفراء ۱/۷۶)

اضواء المصابیح:۸

حافظ زبیر علی زئی

ایمان کی تین علامتیں

ؒ() وعنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :ثلاث من كن فيه وجد بهن حلاوة الإيمان : من كان الله ورسوله أحب إليه مما سواهما ، ومن أحب عبداً لا يحبه إلا لله ، ومن يكره أن يعود في الكفر بعد أن أنقذه الله منه كما يكره أن يلقى في النار ، متفق عليه

آپ (انس بن مالک) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص میں تین خصلتیں پائی جائیں تو اس نے ایمان کی مٹھاس پالی۔ جو سب سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت کرے۔ جو کسی بندے سے صرف اللہ کے لئے محبت کرے، اور جسے اللہ نے کفر سے نکال دیا ہے، وہ کفر میں دوبارہ لوٹ جانا اس طرح ناپسند کرے جس طرح وہ آگ میں گر جانا (سخت) ناپسند کرتا ہے۔

(البخاری :۲۱، مسلم ۶۷/۴۳ و دارالسلام: ۱۶۵ مصابیح:۶)

فقه الحديث :

۱: اس حدیث اور دوسری احادیث وآیات سے صاف ظاہر ہے کہ ایمان کے درجے ہوتے ہیں لہذا لوگ ان درجوں میں مختلف ہیں، کسی کا ایمان زیادہ ہے اور کسی کا ایمان کم ہے۔ سب سے اعلیٰ درجے کا ایمان نبیوں و رسولوں کا ایمان ہوتا ہے پھر صحابہ کا اور پھر تابعین کا، لہذا جو شخص انبیاء و صحابہ کے ایمان کو ایک عام آدمی کے ایمان کے برابر سمجھتا ہے، اُس شخص کا عقیدہ غلط اور باطل ہے۔

۲: جس طرح انسان طبیعت کے لحاظ سے میٹھی چیز پسند کرتا ہے، اسی طرح اسے چاہئے کہ ایمان کے تمام درجات کو اپنی زندگی میں لانے کی مسلسل کوشش کرتا رہے، تا کہ اس کا ایمان زیادہ سے زیادہ ہی ہوتا جائے۔

۳: ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص (ایک) اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رسول ہونے پر راضی ہے، اُس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا (مسلم: ۵۶/۳۴ وأضواء المصابیح:۹)

۴: اس حدیث میں "مما سواهما" تثنیہ کا صیغہ اس لئے آیا ہے کہ اللہ اور رسول سے بیک وقت محبت کرنا ہی ایمان واسلام کا تقاضا و رکن ہے، لہذا جو لوگ اللہ سے محبت کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم (کی احادیث) سے محبت نہیں کرتے تو اُن کا دعوی ایمان باطل ہے۔

۵: اس حدیث اور دیگر دلائل سے ثابت ہے کہ اُمتِ محمدیہ کے لئے خود آگ میں چھلانگ لگانا جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔

کلمۃ الحدیث

اہلِ حدیث کی دعوت

عطاءاللہ سلفی

فقہ حنفی کی کئی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ اگر شفاء کا علم ہو تو بیماری کے علاج کے لئے، پیشاب کے ساتھ سورہ فاتحہ لکھنا جائز ہے، دیکھئے خلاصۃ الفتاوی (۳۶۱/۴) فتاوی قاضی خان (۳۶۵/۲) حاشیۃ الطحاوی علی الدر المختار (۱۱۵/۱) فتاوی شامی (۱۵۴/۱) البحر الرائق لابن نجیم الحنفی (۱۱۶/۱)

اس حنفی مسئلے پر رد کرتے ہوئے غلام رسول سعیدی بریلوی لکھتے ہیں کہ:

''میں کہتا ہوں کہ خون یا پیشاب کے ساتھ سورۂ فاتحہ لکھنے والے کا ایمان خطرہ میں ہے، اگر کسی آدمی کو روز روشن سے زیادہ یقین ہو کہ اس عمل سے اس کو شفاء ہو جائے گی تب بھی اس کا مر جانا اس سے بہتر ہے کہ وہ خون یا پیشاب کے ساتھ سورۂ فاتحہ لکھنے کی جرأت کرے۔ اللہ تعالیٰ ان فقہاء کو معاف کرے، بال کی کھال نکالنے اور جزئیات مستنبط کرنے کی عادت کی وجہ سے ان سے یہ قول شنیع سرزد ہو گیا، ورنہ ان کے دلوں میں قرآن مجید کی عزت اور حرمت بہت زیادہ تھی''

(شرح صحیح مسلم ج۶ ص ۵۵۷)

محمد تقی عثمانی دیوبندی نے اپنی کتاب تکملہ فتح الملہم میں ابن نجیم حنفی کی کتاب البحر الرائق سے نقل کیا ہے کہ پیشاب کے ساتھ سورہ فاتحہ لکھنا جائز ہے۔ اپنی اس عبارت کی وضاحت میں محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں کہ:

''تکملہ فتح الملہم میں تداوی بالمحرم کی علمی بحث کے دوران علامہ ابن نجیم کی البحر الرائق سے جو عبارت نقل کی گئی ہے، وہ میری رائے یا فتویٰ نہیں ہے بلکہ صاحب البحر الرائق کی عبارت کا حصہ ہے جس میں انہوں نے دوسرے اقوال کے ساتھ اس قول کو بھی ذکر کر دیا ہے۔ صاحب البحر الرائق یا صاحب تجنیس (جن کے حوالے سے یہ عمل بیان کیا گیا ہے) علم و فضل میں ان کا مقام اپنی جگہ اور ان کے مقابلے میں ہمارے علم کی کوئی حیثیت نہیں لیکن امت کے کسی بھی عالم کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا ہر قول صحیح ہے، یہ قول بھی ہمارے نزدیک ان کا تسامحہ ہے یا صاحب تجنیس کی طرف اس کی نسبت غلط ہے'' (روزنامہ اسلام راولپنڈی ج ۲ شمارہ: ۵۰، ۱۳۔ اگست ۲۰۰۴ء جمعۃ المبارک ص ۴)

اہل حدیث بھی یہی کہتے ہیں کہ ''اُمت کے کسی عالم کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا ہر قول صحیح ہے'' لہذا تقلید نہیں کرنی چاہئے بلکہ بادلیل اتباع و اقتداء کرنی چاہئے۔

مولانا علی محمد سعیدی (اہل حدیث) نے صاف صاف لکھا ہے کہ:

''اصول کی بناء پر اہل حدیث کے نزدیک ہر ذی شعور مسلمان کو حق حاصل ہے کہ وہ جملہ افرادِ اُمت کے فتاوی، ان کے خیالات کو کتاب و سنت پر پیش کرے جو موافق ہوں سر آنکھوں پر تسلیم کرے، ورنہ ترک کرے''

(فتاوی علمائے حدیث ج ا ص ۶)

یہی اہلِ حدیث کی دعوت اور نصب العین ہے، والحمد للہ۔

توضیح الاحکام حافظ زبیر علی زئی

((زادالیقین فی تحقیق بعض روایات التأمین))

سوال: السلام علیکم ورحمۃ اللہ

کیا امام اور مقتدیوں کا جہری نمازوں میں بلند آواز سے آمین کہنا ثابت ہے؟ دلیل سے جواب دیں۔

(ایک سائل)

جواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آمین بالجہر کی چند صحیح وحسن روایات درج ذیل ہیں۔

ا: قال الإمام ابو داود رحمه الله :

"حدثنامحمد بن كثير :أخبرنا سفيان عن سلمة عن حجر أبي العنبس الحضرمي عن وائل بن حجر قال :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذاقرأ ولا الضالّين قال: آمين ورفع بها صوته "

یعنی آپ ﷺ ولا الضالین کی قرأت کے بعد آمین کہتے اور اپنی آواز اس کے ساتھ بلند فرماتے تھے۔

(سنن ابی داود ج اص ۱۴۱، ۱۴۲ ح:۹۳۲ باب التامین وراء الامام)

یہ روایت مسند الدارمی (ج اص ۲۸۴ ح: ۱۲۵۰) پر بھی اسی سند سے موجود ہے وہاں ''ویرفع بها صوته'' کے الفاظ ہیں اور ترجمہ انہی الفاظ کے مطابق لکھا گیا ہے۔

((سند کا تعارف))

(۱) محمد بن کثیر العبدي البصري، صحیح بخاری وصحیح مسلم کا راوی ہے۔ اس کی صحیح بخاری میں ساٹھ (۶۰) سے اوپر روایتیں ہیں۔

(مفتاح صحیح البخاری ص ۱۵٦)
صحیح مسلم میں اس کی حدیث (ج ۲ ص ۲۴۴ ح ۲۲٦۹ کتاب الرؤیا، باب فی تأویل الرؤیا) میں موجود ہے۔ اس پر امام یحیی بن معین کی جرح مردود ہے۔ قال ابن حجر ''ثقة ولم یصب من ضعفه'' (تقریب التھذیب ص ۴٦۸)
ابن معین کی جرح محمد بن کثیر المصیصی کے بارے میں ہے (حاشیہ میزان الاعتدال ج ۴ ص ۱۸) المصیصی دوسرا شخص تھا۔
محمد بن کثیر العبدی کی متابعت ابوداود الحفری (السنن الکبری للبیہقی ج ۴ ص ۵۷) اور الفریابی (سنن دارقطنی ج ۱ ص ۳۳۳) نے کر دی ہے والحمد للہ

(۲) سفیان بن سعید الثوری، صحیح بخاری وصحیح مسلم کے مرکزی راوی ہیں اور کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ ان کی تدلیس کی بحث آگے آ رہی ہے۔
(۳) سلمۃ بن کھیل، صحیح بخاری وصحیح مسلم کے مرکزی راوی ہیں اور ''ثقہ'' ہیں (تقریب ص ۲۰۲)
(٤) حجر ابوالعنبس ''ثقہ'' ہیں (الکاشف للذھبی ج ۱ ص ۱۵۰) انہیں خطیب بغدادی وغیرہ نے ثقہ کہا ہے۔
(۵) وائل بن حجر مشہور صحابی ہیں رضی اللہ عنہ۔
معلوم ہوا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ والحمد للہ۔

((ایک اعتراض کا جواب))

پرائمری ماسٹر: محمد امین صفدر اوکاڑوی حیاتی دیوبندی، نے لکھا ہے:
''حضرت وائل بن حجرؓ کی حدیث ابوداود سے جو پیش کرتے ہیں نہ صحیح ہے، کیونکہ اس میں سفیان مدلّس، علاء بن صالح شیعہ، محمد بن کثیر ضعیف ہے۔ نہ دوام میں صریح ہے''
(مجموعہ رسائل ج ۳ ص ۳۳۱ طبع اول، غیر مقلدین کی غیر مستند نماز، حوالہ نمبر ۸۷، تجلیات صفدر ج ۵ ص ۴۷۰)
الجواب (۱): سفیان بن سعید الثوری کے بارے میں امام بخاری نے فرمایا:
''ولا أعرف لسفیان الثوري عن حبیب بن أبي ثابت ولا عن سلمة بن کھیل ولا عن منصور وذکر مشائخ کثیرة، لاأعرف لسفیان عن ھولاء تدلیساً(ما) أقل تدلیسه'' (علل الترمذی الکبیر ج ۲ ص ۹٦٦)
یعنی سفیان ثوری، سلمہ بن کہیل سے تدلیس نہیں کرتے تھے۔
(۲) آل تقلید کے نزدیک یہاں تدلیس مضر نہیں ہے۔ ظفر احمد تھانوی دیوبندی نے کہا:
''والتدلیس والإرسال فی القرون الثلاثة لا یضر عندنا'' (اعلاء السنن ج ۱ ص ۳۱۳)
(۳) سفیان ثوری ترکِ رفع یدین والی حدیث المنسوب الی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، کے بنیادی راوی ہیں اور ''عن'' سے روایت کر رہے ہیں۔ دیوبندی اور بریلوی حضرات کا سفیان کی یہاں تدلیس کے بارے میں کیا خیال ہے؟

ابو بلال محمد اسماعیل جھنگوی دیوبندی کی ''تحفہ اہل حدیث'' حصہ دوم (ص ۱۵۴، ۱۵۵) بھی دیکھ لیں.
باقی جوابات کو اختصار کی وجہ سے حذف کر رہا ہوں مثلاً یحیی بن سعید القطان کی سفیان ثوری سے روایت وغیرہ۔ العلاء بن صالح ہماری روایت کی سند میں ہے ہی نہیں اور محمد بن کثیر العبدی کو ضعیف کہنا مردود ہے جیسا کہ سابقہ صفحے پر گزر چکا ہے۔ یاد رہے کہ راوی کے تعین کے لئے اس کے شیوخ و تلامیذ کو مدِ نظر رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ ایک روایت میں امام ابوداود نے کہا:
'' **حدثنا محمد بن كثير نا سفيان عن منصور** '' تو خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی نے کہا:
''[**حدثنا محمد بن كثير**] **العبدي أبوعبد الله البصري...... قال ابن معين لم يكن بثقة وذكره ابن حبان في الثقات وقال أحمد بن حنبل : ثقة** '' (بذل المجہود ج ۱ ص ۱۳۹ ح ۵۵)
ابن معین کی جرح مردود ہے جیسا کہ سابقہ صفحے پر گزر چکا ہے۔
☆ عملِ صحابہ اور مخالفین آمین بالجہر کے پاس عدم دلیل کی رُو سے یہ صحیح حدیث دوام پر دلیل ہے والحمدللہ
☆ العلاء بن صالح پر جرح بھی مردود ہے جمہور محدثین نے اسے ثقہ قرار دیا ہے لہذا اس کی حدیث حسن لذاتہ ہے۔
۲: امام ابن ماجہ القزوینی نے کہا:
''**حدثنا إسحاق بن منصور :أخبرنا عبد الصمد بن عبدالوارث :ثنا حماد بن سلمة :ثنا سهيل بن أبي صالح عن أبيه عن عائشة رضي الله عنها عن النبى صلى الله عليه وسلم قال ماحسدتكم اليهود على شيءٍ ، ماحسدتكم على السلام والتامين** '' (سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۲۷۸ ح ۸۵۶)
اسے منذری (متوفی ۶۵۶ ھ) اور بوصیری دونوں نے صحیح کہا ہے (الترغیب والترھیب ج ۱ ص ۳۲۸ وزوائد سنن ابن ماجہ للبوصیری)
((سند کا تعارف))
(۱) اسحاق بن منصور بن بہرام الکوسج ابو یعقوب التمیمی المروزی نزیل نیسابور (تھذیب الکمال للمزی ج ۲ ص ۴۷، ۷۵) صحیح بخاری و صحیح مسلم کا راوی اور ''ثقہ ثبت'' ہے (تقریب ص ۳۸)
(۲) عبدالصمد بن عبدالوارث بن سعید العنبری، صحیح بخاری و صحیح مسلم کا راوی اور ''صدوق ثبت فی شعبۃ'' تھا (تقریب ۳۲۲) اس کے بارے میں عبدالباقی بن قانع (ضعیف) نے کہا: ''ثقہ یخطئی'' (تھذیب التھذیب ج ۶ ص ۲۹۲) یہ جرح مردود ہے۔
(۳) حماد بن سلمہ صحیح مسلم کا راوی ہے۔ جمہور محدثین نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔ اُس پر جرح مردود ہے۔ حماد بن سلمہ سے عبدالصمد کی روایت صحیح مسلم (کتاب الجھاد باب استحباب الدعاء عندلقاء العدو ح ۱۷۴۳) میں موجود ہے لہذا ثابت ہوا کہ عبدالصمد کا حماد سے سماع قبل از اختلاط و تغیر ہے۔ دیکھئے مقدمۃ ابن الصلاح مع شرح العراقي (ص ۳۶۶، النوع:

٦٢) لہذا اختلاط وتغیر کا الزام بھی مردود ہے۔ خالد بن عبداللہ الطحان نے یہی حدیث سہیل سے بیان کر رکھی ہے۔ (صحیح ابن خزیمۃ ج ١ص ٢٨٨ ح ٥٧٤)

(٤) سہیل بن ابی صالح، صحیح مسلم کا راوی "صدوق تغیر حفظه بأخره ، روی له البخاری مقروناً وتعلیقاً" ہے (تقریب ص ٢١٥)

سہیل بن ابی صالح سے حماد بن سلمہ کی روایت صحیح مسلم (کتاب البر والصله ،باب النهي عن قول :هلك الناس ح ٢٦٢٣) پر موجود ہے جو اس کی دلیل ہے کہ حماد کا سہیل سے سماع قبل از اختلاط ہے۔ لہذا سہیل پر " تغیر حفظه بأخره " والی جرح یہاں مردود ہے۔

(٥) ابوصالح ذکوان، صحیح بخاری وصحیح مسلم کا راوی اور ''ثقہ ثبت'' ہے (تقریب ص ١٥١)

(٦) ابوھریرہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔

ثابت ہوا کہ اس روایت کی سند صحیح ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہودی لوگ، مسلمانوں سے دو (اہم) باتوں پر حسد کرتے ہیں (١) ایک دوسرے کو السلام علیکم کہنا (٢) آمین کہنا۔

یہ ظاہر ہے کہ وہ سلام اور آمین سنتے ہیں لہذا اسی وجہ سے حسد کرتے ہیں۔

٣: خطیب بغدادی نے تاریخ (١١/٤٣) اور ضیاء المقدسی نے ''المختارۃ'' (٥/١٠٧ ح ١٧٢٩،١٧٣٠) میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ (الفاظ خطیب کے ہیں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

'' إن اليهود ليحسد و نكم علی السلام و التأمين'' بے شک یہود تم سے سلام اور آمین پر حسد کرتے ہیں۔

اس کے سارے راوی ثقہ وصدوق ہیں اور اس کی سند صحیح ہے۔

ان روایات کی تائید میں عرض ہے کہ ایک روایت میں اس حسد کی وجہ مسلمانوں کا "وقولهم خلف إمامهم فی المکتوبة : آمین " امام کے پیچھے آمین کہنا ہے (الترغیب والترھیب ج ١ص ٣٢٨، ٣٢٩ وقال:''بإسناد حسن'' مجمع الزوائد ج ٢ص ١١٣ وقال: اسنادہ حسن)

اس طرح آمین بالجہر کی اور بھی بہت ساری روایات ہیں دیکھئے میری کتاب ''القول المتین فی الجہر بالتامین'' وغیرہ، ان احادیث سے معلوم ہوا کہ امام مسلم رحمہ اللہ کا یہ دعوی بالکل صحیح ہے کہ '' نبی ﷺ کا آمین بالجہر کہنا متواتر احادیث کے ساتھ ثابت ہے۔'' مانعین کے پیش کردہ دلائل: غیر صریح، مبہم، ضعیف اور بلا سند ہیں لہذا صحیح ومتواتر احادیث کے مقابلے میں مردود وباطل ہیں۔

((صحابہ کرام کا عمل))

عبدالرزاق نے اپنی کتاب ''المصنف'' میں کہا:

''عن ابن جريج عن عطاء قال قلت له :أكان ابن الزبير يؤمن علىٰ إثر أم القرآن ؟قال :نعم ، ويؤمن من وراءه حتى أن للمسجد للجة ، ثم قال :إنما آمين دعاء ، وكان أبو هريرة يدخل المسجد وقد قام الإمام قبله فيقول :لا تسبقني بآمين ''

(ج۲ص۹۶،۹۷ح۲۶۴۰ وعلقہ البخاری فی صحیحہ مع الفتح ۲/۲۶۲ قبل ح۷۸۰، کتاب الأذان باب ۱۱۱)

ابن جریج سے روایت ہے کہ میں نے عطاء (بن ابی رباح) سے پوچھا: کیا ابن زبیر (رضی اللہ عنہما) سورۃ فاتحہ کے بعد آمین کہتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: جی ہاں اوران کے مقتدی بھی آمین کہتے تھے حتیٰ کہ مسجد گونج اٹھتی تھی۔ پھر فرمایا: آمین تو دعا ہے اور ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) مسجد میں داخل ہوتے اور امام (اقامت کے بعد) پہلے کھڑا ہو چکا ہوتا تو اسے کہتے: مجھ سے پہلے آمین نہ کہنا۔

اس روایت کی سند صحیح ہے۔ ابن جریج نے عطاء بن ابی رباح سے ''قلت لہ'' کے ساتھ سماع کی تصریح کر دی ہے لہٰذا تدلیس کا الزام باطل ہے۔ ابن جریج صحیح بخاری وصحیح مسلم کا بنیادی راوی ہے اس پر حبیب اللہ ڈیروی حیاتی دیوبندی کی جرح مردود ہے۔ اُس پر تہمتِ متعہ ثابت نہیں اور اگر اسے ثابت مانا بھی جائے تو بھی دووجہ سے مردود ہے۔

۱۔ ابن جریج سے اس مسئلہ میں رجوع مروی ہے (فتح الباری ج۹ص۱۷۳)

۲۔ عین ممکن ہے کہ اُن تک متعہ کی حرمت والی احادیث نہ پہنچی ہوں۔ ظاہر ہے کہ عدمِ علم کی وجہ سے انسان غیر عقائدی اُمور میں معذور ہوتا ہے۔

یہاں پر بطورِ تنبیہ عرض ہے کہ خود ڈیروی صاحب نے بھی تسلیم کیا ہے کہ:

'' اس کی سند میں ابن جریج راوی واقع ہے جو کہ ثقہ ہے مگر سخت قسم کا مدلس ہے۔'' (نور الصباح ص۲۲۲ طبع دوم ۱۴۰۶ھ)

ظاہر ہے کہ ثقہ کی روایت، عدمِ شذوذ اور عدمِ علت کی حالت میں صحیح ہوتی ہے۔

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ آمین ایسی دعاء ہے جسے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور اُن کے مقتدی اونچی آواز کے ساتھ کہتے تھے، کسی صحابی سے عبداللہ بن الزبیر پر اس مسئلے میں رد واختلاف مروی نہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ آمین بالجہر پر صحابہ کرام کا اجماع ہے رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اس کے مقابلے میں کسی صحیح یا حسن حدیث سے جہری نمازوں میں آمین بالسر ثابت نہیں۔

رائے ونڈ میں اتوار کے دن دیوبندی مولوی لاؤڈ سپیکر پر جہری دعا پڑھتا ہے اور بے شمار لوگ اس کی جہری دعا پر آمین بالجہر کہتے ہیں۔ اسی طرح بریلوی ودیوبندی حضرات اور بھی بہت سی دعائیں جہراً پڑھتے ہیں لہٰذا ''ادعو اربکم تضرعاً وخفية '' سے اُن کا استدلال صحیح نہیں۔ دوسروں کو بھی وہی نصیحت کرنی چاہئے جس پر آدمی خود کاربند ہو، ورنہ '' لم تقولون مالا تفعلون '' والا سوال ہوجاتا ہے جس کا جواب دینا پڑے گا۔

شعبہ سے مروی روایت "وأخفٰی بھا صوتہ" (اور آپ نے آمین کے ساتھ اپنی آواز خفیہ رکھی) شذوذ وعلت کی وجہ سے مردود ہے۔ اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو اس کا صرف یہی مطلب ہے کہ سری نمازوں میں آہستہ آمین کہنی چاہئے۔
تنبیہ: اس روایت کے بارے فنِ حدیث کے ماہر جمہور محدثین کی تحقیق ہی معتبر ہے۔
آخر میں آپ سے درخواست ہے کہ تمام آلِ دیوبند، آلِ بریلی، آلِ تقلید یا حنفی حضرات میں سے جس سے چاہیں میرے اس مضمون کا مدلل اور باحوالہ جواب لکھوائیں۔ انہیں چاہئے کہ وہ اپنی کم از کم تین متدل روایات پیش کریں جن سے ثابت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہری وسری دونوں نمازوں میں آمین بالسر کہتے تھے۔ اور اسی طرح آپ ﷺ کے صحابہ کرام سے بھی یہی بات ثابت کریں۔ إذلیس فلیس
بشر بن رافع کی روایت، جو آمین بالجہر کے بارے میں مروی ہے وہ سخت ضعیف ومردود ہے۔ درج بالا روایات کی موجودگی میں ہمیں اُس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر کسی صحیح العقیدہ عالم نے اسے پیش کیا ہے تو ان صحیح روایات کی تائید میں ہی پیش کیا ہوگا۔ یا پھر اسے اُس کی اجتہادی غلطی قرار دیا جائے گا۔ دیوبندی و بریلوی حضرات بھی اپنی کتابوں میں ضعیف روایات پیش کرتے ہیں۔ مثلاً دیکھئے "حدیث اور اہل حدیث" اور "جاء الحق" وغیرہما۔
اس مسئلے میں میری تحقیق یہی ہے کہ صرف صحیح یا حسن حدیث سے ہی استدلال کرنا چاہئے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ کسی صحیح محتمل الوجہین روایت کا مفہوم، معمولی ضعیف (جس کا ضعف شدید نہ ہو) سے متعین کیا جا سکتا ہے واللہ اعلم،
میرے اس مضمون کا صرف وہی جواب قابلِ مسموع ہوگا جس میں اس مضمون کے مکمل متن کو درج کر کے ہر مطلوبہ بات کا جواب دیا جائے گا۔ اس شرط کی عدم موجودگی والا جواب شروع سے ہی مردود سمجھا جائے گا۔ والمسلمون علی شروطھم، یاد رہے کہ یہ شرط کتاب اللہ کے مخالف نہیں ہے بلکہ عین تحقیق مطلوب ہے تا کہ مخالف شخص اصل بحث سے ہٹ کر اِدھر اُدھر کی باتیں نہ چھیڑ دے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب "القول المتین فی الجھر بالتأمین"
اس مضمون "زاد الیقین فی تحقیق بعض روایات التأمین" کا جواب ابھی تک نہیں آیا (۱۸ ستمبر ۲۰۰۴ء)
لہٰذا عامۃ المسلمین کے فائدے کے لئے اسے ماہنامہ "الحدیث" میں شائع کیا جا رہا ہے۔ وما علینا إلا البلاغ
حافظ زبیر علی زئی
(۱۶ شعبان ۱۴۲۳ھ بمطابق ۲۳/اکتوبر ۲۰۰۲ء)

النصر الربانی فی ترجمة : محمد بن الحسن الشیبانی

حافظ زبیر علی زئی

محمد بن الحسن الشیبانی کے بارے میں حافظ ذہبی [1] رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

" محمد بن الحسن الشيباني أبو عبدالله أحد الفقهاء ، لينه النسائي وغيره من قبل حفظه ، يروى عن مالك بن أنس وغيره كان من بحور العلم والفقه ، قوياً في مالك "

(میزان الاعتدال: ج ۳ص ۵۱۳ ت ۷۳۷۴)

مفہوم: محمد بن الحسن الشیبانی (اہل الرائے کے) فقہاء میں سے تھا۔ اسے (امام) نسائی وغیرہ نے اس کے (خراب) حافظے کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔ وہ (امام) مالک وغیرہ سے روایت کرتا تھا اور وہ (امام ذہبی کے نزدیک) علم اور (اہل الرائے کے) فقہ کے دریاؤں میں سے تھا۔ (صرف امام) مالک سے اس کی روایت قوی ہے۔

تبصرہ: حافظ ذہبی کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ شیبانی مذکور اگر امام مالک کے علاوہ دوسرے لوگوں (مثلاً امام ابو حنیفہ) سے روایت کرے تو وہ (ذہبی کے نزدیک بھی) غیر قوی یعنی ضعیف ہے۔

سنن النسائی کے مصنف اور اسماء الرجال کے امام ابوعبدالرحمٰن النسائی رحمہ اللہ، امام ابوحنیفہ کے شاگردوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: **" والضعفاء من أصحابه : يوسف بن خالد السمتي كذاب ،والحسن بن زياد اللؤلؤي كذاب خبيث و محمد بن الحسن ضعيف "**

اور اس کے ضعیف شاگردوں میں سے یوسف بن خالد السمتی : کذاب، حسن بن زیاد اللؤلؤی: کذاب خبیث اور محمد بن الحسن الشیبانی ضعیف تھا۔ (جزء فی آخر کتاب الضعفاء والمتروکین للنسائی: ص ۲۶۶)

امام نسائی کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ کتاب الحجۃ علی اہل المدینہ کا مصنف محمد بن الحسن الشیبانی مطلقاً ضعیف ہے چاہے وہ امام مالک سے روایت کرے یا دوسرے راویوں (مثلاً امام ابوحنیفہ) سے روایت کرے، لہذا اس کی روایت عدمِ متابعت کی صورت میں مردود ہوتی ہے۔ اس تمہید کے بعد حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ کی تحقیق پیشِ خدمت ہے

(۱) حافظ ذہبی نے محمد بن الحسن الشیبانی پر ایک جزء لکھا ہے مگر ''تذکرۃ الحفاظ'' میں اس (محمد بن الحسن) کا بطورِ ترجمہ ذکر نہیں کیا، جبکہ دیوان الضعفاء (۳۶۵۶) اور المغنی فی الضعفاء (۵۴۰۶) میں اس کا ذکر ضرور کیا ہے۔

جسے انہوں نے لسان المیزان (اسماء الرجال کی ایک مشہور کتاب) میں لکھا ہے۔ پہلے حافظ صاحب کی عبارت ہوگی پھر اس کا ترجمہ اور حاشیے میں اس پر تبصرہ ہوگا والحمد للہ رب العالمین۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

" وهو محمد بن الحسن بن فرقد الشيباني ، مولاهم ، الفقيه أبو عبدالله ، ولد بواسط ونشأ بالكوفة ، وتفقه على أبي حنيفة رحمة الله عليه ۔

وسمع الحديث من الثوري و مسعر و عمر بن ذر و مالك بن مغول والأوزاعي ومالك بن أنس وزمعة بن صالح وجماعة ۔

وعنه الشافعي وأبو سليمان الجوزجاني و أبو عبيد بن سلام و هشام بن عبيدالله الرازي وعلي بن مسلم الطوسي وغيرهم "

محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی، شیبانیوں کا غلام، فقیہ ابوعبداللہ ہے، وہ واسط میں پیدا ہوا اور کوفہ میں پرورش پائی۔ فقہ اس نے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے سیکھا اور (سفیان) ثوری، مسعر (بن کدام) عمر بن ذر، مالک بن مغول، اوزاعی، مالک بن انس، زمعہ بن صالح (ضعیف وحدیثہ عند مسلم مقرون، تقریب: ۲۰۳۵) اور ایک جماعت [۱] سے حدیث سنی، اس سے (امام) شافعی [۲]، ابوسلیمان الجوزجانی، ابوعبید (القاسم) بن سلام، ہشام بن عبیداللہ الرازی اور علی بن مسلم الطّوسی نے حدیث بیان کی۔ (لسان المیزان: ج۵ ص۱۲۱ ت۴۲۵۷)

---

(۱) الشیبانی کے استادوں میں درج ذیل حضرات بھی ہیں۔

محمد بن ابان بن صالح (ضعیف کوفی، کتاب الضعفاء للنسائی: ۵۱۲) ابو مالک النخعی (''متروک'' تقریب: ۸۳۳۷) ابراہیم بن یزید المکی (متروک الحدیث، تقریب: ۲۷۲) وغیرہم۔

(۲) ایک رافضی نے کہا کہ (امام) شافعی نے محمد بن الحسن سے پڑھا ہے، تو اس کی تردید کرتے ہوئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

" أن هذا ليس كذلك بل جالسه وعرف طريقته و ناظره و أول من أظهر الخلاف لمحمد بن الحسن ورد عليه الشافعي ...... "

ایسی بات نہیں ہے بلکہ (امام شافعی) اس کے پاس بیٹھے ہیں، اس کا طریقہ پہچانا ہے اور اس سے مناظرہ کیا ہے، سب سے پہلے محمد بن الحسن سے اختلاف اور اس کا رد امام شافعی نے کیا ہے۔

(منہاج السنۃ النبویۃ: ج۴ ص۱۴۳، طبع قدیم، دار الکتب العلمیہ لبنان)

ایک غالی دیوبندی نے شیخ الاسلام کا رد لکھا ہے۔ (دیکھئے کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ: ج ا ص ۵) لیکن یہ رد مردود ہے۔
" وولّـى الـقضاء أيام الرشيد، قال ابن سعد : كان أبوه في جند أهل الشام ، فقدم واسط ، فولد محمد بها سنة اثنتين وثلاثين ومائة ـ
قـال ابـن عبـدالحكم : سمعت الشافعي يقول : قال محمد بن الحسن : أقمت على باب مالك ثلاث سنين وسمعت من لفظه أكثر من سبعمائة حديث ـ
وقـال ابـن المنذر : سمعت المزني يقول : سمعت الشافعي يقول : ما رأيت سميناً أخف روحاً من محمد بن الحسن وما رأيت أفصح منه " (۱۲۱/۵)

(ہارون) الرشید کے دور میں اسے عہدۂ قضاء سونپا گیا، ابن سعد (کاتب الواقدی) نے کہا: اس کا والد، شام کی فوج میں تھا، وہ واسط آیا تو وہاں ۱۳۲ھ میں محمد (بن الحسن) پیدا ہوا[۱]۔

ابن عبدالحکم نے کہا: میں نے (محمد بن ادریس، امام) شافعی کو فرماتے سنا: محمد بن الحسن نے کہا: میں (امام) مالک کے دروازے پر تین سال کھڑا رہا ہوں اور اُن کے اپنے الفاظ سے، سات سو سے زیادہ حدیثیں سنی ہیں۔[۲]

ابن المنذر نے کہا: میں نے (امام) المزنی سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے (امام) شافعی سے سنا کہ: میں نے محمد بن الحسن سے زیادہ ہلکی چال چلنے والا کوئی موٹا نہیں دیکھا اور نہ ہی اس سے زیادہ کوئی فصیح دیکھا ہے[۳]۔

(۱) الطبقات الکبری لابن سعد (ج ۷ ص ۳۳۶)

(۲) یہ روایت مع سند تاریخ بغداد (ج ۲ ص ۱۷۳ ت ۵۹۳) میں ہے، خطیب بغدادی نے یہ روایت دو سندوں سے بیان کی ہے: اول عبداللہ بن محمد بن زیاد النیسابوری، یہ سند صحیح ہے لیکن خطیب نے اس کا متن نہیں لکھا۔
دوسری سند میں محمد بن عثمان بن الحسن القاضی کذاب ہے۔ دیکھئے میزان الاعتدال (ج ۳ ص ۶۴۳ ت ۷۹۳۵)
خطیب رحمہ اللہ نے اس کذاب کا بیان کردہ متن لکھا ہے لہذا یہ روایت مردود ہے۔

(۳) یہ روایت مع سند، تاریخ بغداد (ج ۲ ص ۱۷۵) پر موجود ہے
اس کا ایک الحسین بن جعفر العنزی ہے جس کا تعین معلوم نہیں، ایک العنزی بغیر کسی توثیق و تجریح کے سیر اعلام النبلاء (ج ۱۷ ص ۶۲) میں مذکور ہے، جو ''الامام الفقیہ'' تھا، اس کا مقام صدوق کا مقام ہے، دوسرا حسین بن جعفر الجوزجانی (الجرجانی) مجروح ہے، دیکھئے لسان المیزان (ج ۲ ص ۲۷۷)
تنبیہ: اگر یہ روایت صحیح بھی ثابت ہو جائے تو اس کا تعلق نہ جرح سے ہے اور نہ تعدیل سے، فصاحت اور چیز ہے اور عدالت وثقاہت اور چیز ہے۔

وقال [عباس] الدوري عن ابن معين : كتبت الجامع الصغير عن محمد بن الحسن ، وقال الربيع : سمعت الشافعي يقول : حملت عن محمد وقر بختي كتباً ، ونقل ابن عدي عن إسحاق بن راهويه : سمعت يحي بن آدم يقول : كان شريك لا يجيز شهادة المرجئة ، فشهد عنده محمد بن الحسن فرد شهادته ، فقيل له في ذلك ، فقال : أنا لا أجيز شهادة من يقول : الصلوة ليست من الإيمان ، ومن طريق أبي نعيم قال قال أبو يوسف : محمد بن الحسن يكذب علي ، قال ابن عدي : ومحمد لم تكن له عناية بالحديث وقد استغنى أهل الحديث عن تخريج حديثه " (١٢١/٥ ، ١٢٢)

عباس الدوری نے ابن معین سے بیان کیا کہ: میں نے الجامع الصغیر محمد بن الحسن سے لکھی ہے [(۱)]۔

ربیع (بن سلیمان) نے کہا: میں نے شافعی کو فرماتے سنا کہ: میں نے محمد (بن الحسن) سے (اپنے) اونٹ جتنے بوجھ کی کتابیں لی ہیں [(۲)]۔ ابن عدی نے اسحاق بن راہویہ سے نقل کیا ہے کہ: میں نے یحیٰی بن آدم کو کہتے سنا کہ: شریک (القاضی) مرجئہ کی گواہی جائز نہیں سمجھتے تھے، ان کے پاس محمد بن الحسن نے گواہی دی تو انہوں نے اسے رد کر دیا، جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: میں ایسے آدمی کی گواہی نہیں مانتا جو یہ کہتا ہے کہ نماز ایمان میں سے نہیں ہے [(۳)]۔

اور ابن عدی نے ابونعیم (الفضل بن دکین) کی سند سے نقل کیا ہے کہ: قاضی ابو یوسف نے کہا: محمد بن الحسن مجھ پر جھوٹ بولتا ہے [(۴)]۔ ابن عدی نے کہا: محمد (بن الحسن) کی توجہ حدیث پر نہیں تھی (یعنی اسے صرف رائے و قیاس کا دفاع ہی محبوب تھا) اہلِ حدیث (محدثین کرام اور متبعینِ حدیث) اس کی بیان کردہ حدیثوں سے بے نیاز ہیں [(۵)]۔

---

(۱) تاریخ بغداد (ج ۲ ص ۱۷۵، ۱۷۶ وسندہ صحیح) اس کی سند امام ابن معین تک صحیح ہے، الجامع الصغیر لکھنے کے بعد امام یحیٰی بن معین کس نتیجے پر پہنچے اس کا تذکرہ، عباس الدوری کی تاریخ میں ہے۔ قال يحي بن معين :محمد بن الحسن الشيباني ليس بشيء " (تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۱۷۷۰) یعنی محمد بن الحسن الشیبانی کچھ چیز نہیں ہے۔ (۲) تاریخ بغداد (ج ۲ ص ۱۷۶) اس کا ایک راوی محمد بن اسماعیل (بن عامر) التمار ہے، جس کا ذکر بغیر کسی جرح و تعدیل کے تاریخ بغداد میں مذکور ہے۔ (ج ۲ ص ۴۵ ت ۴۳۷) یعنی یہ مجہول الحال ہے۔ ایک دوسرا محمد بن اسماعیل بن عامر الدمشقی ہے جو کہ مجروح ہے۔ (۳) الکامل لابن عدی (ج ۶ ص ۲۱۸۳) اس کے دو راوی محمد بن شاذان اور الحسن بن ابی الحسن غیر منسوب و غیر متعین ہیں، لہذا یہ سند ضعیف ہے۔ (۴) الکامل لابن عدی (۲۱۸۴/۶) اس کے دو راوی محمد بن ابی منصور اور حمزہ بن اسماعیل الطبری نامعلوم ہیں لہذا یہ سند مردود ہے۔ (۵) الکامل لابن عدی (ج ۶ ص ۲۱۸۴) و ابن عدی امام ''معتدل'' کما قال الذہبی فی ''ذکر من یعتمد قولہ فی الجرح والتعدیل'' (ص ۱۵۹)

وقـال أبـو إسماعيل الترمذي : سمعت أحمد بن حنبل يقول : كان محمد بن الحسن في الأول يذهب مذهب جهم ـ

وقـال حـنبل بن إسحاق عن أحمد : كان أبو يوسف مضعفاً في الحديث وأما محمد بن الحسن وشيخه فكانا مخالفين للأثر ـ

وقـال سـعيـد بن عمرو البر ذعي : سمعت أبا زرعة الرازي يقول : كان محمد بن الحسن جهمياً وكذا شيخه وكان أبو يوسف بعيداً من التجهم ـ

وقال زكريا الساجي : كان مرجئاً " " وقال محمد بن سعد الصوفي : سمعت يحي بن معين يرميه بالكذب ـ (١٢٢/٥)

ابواسماعیل الترمذی نے کہا: میں نے احمد بن حنبل کوفرماتے سنا کہ: شروع میں محمد بن الحسن، جہم کے مذہب پر چلتا تھا[(۱)]۔

حنبل بن اسحاق نے (امام) احمد (بن حنبل) سے نقل کیا کہ: ابویوسف (تو) حدیث میں ضعیف تھا مگر محمد بن الحسن اور اس کا استاد (اس کے ساتھ) حدیث وآثار کے مخالف تھے[(۲)]۔

سعید بن عمرو البرذعی نے کہا: میں نے ابوزرعہ الرازی کوفرماتے سنا کہ: محمد بن الحسن اور اس کا استاد دونوں جہمی (مذہب والے) تھے۔ اور ابویوسف جہمیت سے دور تھے[(۳)] زکریا الساجی نے کہا: (محمد بن الحسن) مرجئ تھا[(۴)]۔ محمد بن سعد الصوفی نے کہا: میں نے ابن معین سے سنا وہ اسے جھوٹا قرار دیتے تھے[(۵)]۔

....

(۱) تاریخ بغداد (ج ۲ ص ۱۷۹) وسندہ حسن، اس کی سند حسن لذاتہ ہے۔

(۲) تاریخ بغداد (ج ۲ ص ۱۷۹) اس کی سند صحیح ہے، دیکھئے الاسانید الصحیحہ فی اُخبار ابی حنیفہ قلمی: ص ۱۱۸۔

تنبیہ: تاریخ بغداد میں غلطی سے ''مضعفاً'' کے بجائے ''منصفاً'' چھپ گیا ہے۔

(۳) کتاب الضعفاء لابی زرعہ الرازی (ص ۵۷۰) یہ قول صحیح وثابت ہے۔ (۴) تاریخ بغداد (ج ۲ ص ۱۷۹) اس قول کا راوی محمد بن احمد بن محمد بن عبدالملک الأدمی ہے، اس پر حمزہ بن محمد بن طاہر الدقاق نے شدید جرح کی ہے اور برقانی نے تعریف کی ہے، دیکھئے تاریخ بغداد (ج ۱ ص ۳۴۹) قولِ راجح میں یہ راوی ضعیف ہے، لہذا یہ روایت مردود ہے، الساجی کی اصل کتاب تلاش کر کے اس میں یہ قول دیکھنا چاہئے۔

(۵) تاریخ بغداد (۱۸۰/۲) نحو المعنی، محمد بن سعد الصوفی بذاتِ خود ضعیف ہے، دیکھئے تاریخ بغداد (ج ۵ ص ۳۲۳) والاسانید الصحیحہ (ص ۵۹) اس سند کا دوسرا راوی محمد بن احمد بن عصام نامعلوم ہے (الاسانید الصحیحہ: ص ۳۰۴) احمد بن علی بن عمر بن حبیش الرازی کی توثیق نامعلوم ہے۔ (الاسانید الصحیحہ: ص ۳۰۴) لہذا یہ سند ضعیف ومردود ہے۔

وقال الأحوص بن الفضل عن أبيه : حسن اللؤلؤي و محمد بن الحسن ضعيفان ، و كذا قال معاوية بن صالح عن ابن معين ، وقال ابن أبي مريم عنه : ليس بشيء ولا يكتب حديثه ، وقال الدارقطني : لا يستحق الترك ، وقال عبدالله بن علي المديني عن أبيه : صدوق وقال ثعلب : توفي الكسائي ومحمد بن الحسن في يوم واحد ، فقال الناس: دفن اليوم اللغة و الفقه " (١٢٢/٥)

احوص بن المفضل الغلابی نے اپنے ابا سے نقل کیا کہ: حسن اللؤلؤی اور محمد بن الحسن دونوں ضعیف ہیں (١)۔ اسی طرح معاویہ بن صالح نے ابن معین سے روایت کیا ہے (٢)۔ ابن ابی مریم نے ابن معین سے نقل کیا کہ: یہ کچھ چیز نہیں ہے اور اس کی حدیث نہ لکھی جائے (٣)۔ عمرو بن علی (الفلاس) نے کہا: ضعیف ہے (٤)۔ اور ابوداود نے کہا: وہ کچھ چیز نہیں اور نہ اس کی حدیث لکھی جائے (٥)۔ اور دارقطنی نے کہا: وہ (میرے نزدیک) متروک ہونے کا مستحق نہیں ہے۔ (٦) عبداللہ بن علی (بن عبداللہ) المدینی نے اپنے والد (علی بن عبداللہ المدینی) سے نقل کیا کہ انہوں نے کہا: (محمد بن الحسن) صدوق (یعنی سچا) ہے (٧)۔ ثعلب نے کہا: الکسائی اور محمد بن الحسن ایک ہی دن میں فوت ہوئے تو (نامعلوم) لوگوں نے کہا: آج لغت اور فقہ (دونوں) دفن ہو گئے ہیں (٨)۔

---

(١) تاریخ بغداد (ج ٢ ص ١٨٠) اس روایت کی سند میں قاضی ابو العلاء محمد بن علی الواسطی: ضعیف ہے لہذا یہ روایت ضعیف و مردود ہے۔ (٢) تاریخ بغداد (١٨٠/٢) والکامل لابن عدی (٢١٨٣/٦) اسکی سند میں ابو بشر محمد بن احمد بن حماد الدولابی صاحب الکنیٰ ضعیف ہے، لہذا یہ روایت بھی مردود ہے۔ (٣) تاریخ بغداد (١٨١،١٨٠/٢) یہ سند حسن ہے، محمد بن المظفر پر جرح مردود ہے اور باقی سند صحیح ہے، دیکھئے میزان الاعتدال (٤٣/٤ ت ٨١٨٣) والاسانید الصحیحہ (ص ٣٠١) (٤) تاریخ بغداد (١٨١/٢) یہ سند صحیح ہے، دیکھئے الاسانید الصحیحہ (ص ٢٤٢) (٥) تاریخ بغداد (١٨١/٢) اس کی سند میں ابو عبید محمد بن علی بن عثمان الآجری ہے جو کہ مجہول الحال ہے، دیکھئے میری کتاب ''القول المتین فی الجہر بالتأمین'' (ص ٢٠) (٦) تاریخ بغداد (١٨١/٢) اس کی سند صحیح ہے، اور امام دارقطنی کے نزدیک کسی شخص کا متروک نہ ہونا اس کی دلیل نہیں ہے کہ وہ دوسرے محدثین کے نزدیک بھی متروک نہیں ہے (٧) تاریخ بغداد (ج ٢ ص ١٨١) اس کے راوی عبداللہ بن علی بن عبداللہ المدینی کی توثیق نامعلوم ہے، اس کا ذکر تاریخ بغداد (٩/١٠، ١٠) میں بغیر کسی توثیق کے موجود ہے، اس کا بھائی محمد بن علی ضرور ثقہ تھا مگر ایک بھائی کے ثقہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرا بھائی عبداللہ بھی ضرور ثقہ تھا !! (٨) تاریخ بغداد (١٨٤/٢) اس کی سند کا ایک راوی ابو عمر الزاہد ہے، وہ جب ثعلب سے روایت کرے تو مجروح ہے دیکھئے تاریخ بغداد (ج ٤ ص ٣٥٧ ت ٨٦٥) ولسان المیزان (٢٦٨/٥) لہذا یہ سند ضعیف ہے۔

”وذكره العقيلي في الضعفاء وقال : حدثنا أحمد بن محمد بن صدقة : سمعت العباس الدوري يقول : سمعت يحي بن معين يقول : جهمي كذاب ـ
ومن طريق أسد بن عمرو ، قال : هو كذاب
ومن طريق منصور بن خالد : سمعت محمداً يقول : لا ينظر في كلامنا من يريد الله تعالىٰ ، ومن طريق عبدالرحمٰن بن مهدي : دخلت عليه ، فرأيت عنده كتاباً ، فنظرت فيه فإذا هو قد أخطأ في حديث وقاس على الخطاء فوقفته على الخطأ ، فرجع وقطع من كتابه بالمقراض عدة أوراق “　(لسان الميزان : ١٢٢/٥)

اور اسے (امام) عقیلی نے (کتاب) الضعفاء میں ذکر کیا ہے اور کہا: ہمیں احمد بن محمد بن صدقہ نے حدیث بیان کی: میں نے عباس الدوری کو فرماتے سنا کہ: میں نے یحییٰ بن معین کو فرماتے سنا کہ: (محمد بن الحسن) جہمی (اور) کذاب ہے [۱]۔
اور (عقیلی نے) اسد بن عمرو کی سند سے بیان کیا کہ: وہ (محمد الحسن) کذاب ہے [۲]۔
اور (عقیلی نے) منصور بن خالد (کی سند) سے روایت کیا کہ: میں نے محمد (بن الحسن) کو کہتے سنا کہ: جو شخص اللہ کو راضی کرنا چاہتا ہے وہ ہمارا کلام نہیں دیکھتا (یعنی ہماری کتابیں، ہمارا فقہ نہیں پڑھتا) [۳]
اور (عقیلی نے ہی) (امام) عبدالرحمٰن بن مھدی سے نقل کیا، انہوں نے فرمایا: میں اس (محمد بن الحسن) کے پاس گیا تو اس کے پاس کتاب دیکھی، میں نے دیکھا کہ اسے حدیث (کے فہم) میں غلطی لگی ہے اور وہ اس غلطی پر قیاس کر رہا ہے تو میں نے اسے اس کی غلطی بتائی، پس اس نے رجوع کیا اور قینچی کے ساتھ اپنی کتاب سے کئی اوراق کاٹ ڈالے [۴]۔
حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کا بیان ختم ہوا۔

(۱) کتاب الضعفاء للعقیلی (ج ۴ ص ۵۲) وسندہ صحیح، عباس بن محمد الدوری کا شاگرد احمد بن محمد بن صدقہ ثقہ ہے دیکھئے تاریخ بغداد (۴۰/۵، ۴۱ ت ۲۳۹۵)
(۲) کتاب الضعفاء للعقیلی (۵۴/۴) اسکی سند کے دو راوی فتح بن نعیم البلخی اور محمد بن نعیم البلخی نامعلوم ہیں، لہذا یہ سند مردود ہے۔
(۳) کتاب الضعفاء للعقیلی (۵۴/۴) الکامل لابن عدی (۲۱۸۳/۶) اس کا راوی منصور بن خالد، نامعلوم ہے، لہذا یہ سند مردود ہے۔
(۴) کتاب الضعفاء للعقیلی (۵۴/۴) وسندہ صحیح، عبدالرحمٰن بن عمر: رستہ، ثقہ ہے، لہذا یہ سند صحیح ہے۔

لسان المیز ان کے اس طویل بیان کے بعد دیگر معلومات پیش خدمت ہیں۔

۱: امام اہلِ سنت احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ليس بشيء ولا يكتب حديثه''
(محمد بن الحسن الشیبانی) کچھ چیز نہیں ہے اور اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔(الکامل لابن عدی: ج۶ ص۲۱۸۳ وسندہ صحیح)
اس قول کی سند صحیح ہے، دیکھئے الاسانید الصحیحہ ص۳۰۱، وکتب الرجال۔
امام احمد نے مزید فرمایا: '' لا أروي عنه شيئاً '' میں اس سے کوئی چیز روایت نہیں کرتا۔
(کتاب العلل ومعرفۃ الرجال للإمام احمد: ج۲ ص۲۵۸ ت۱۸۶۲)

تنبیہ: تاریخ بغداد کی ایک روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل نے باریک مسائل ''محمد بن الحسن'' کی کتابوں سے لئے ہیں! (۲/۱۷۷) اس روایت کے راوی ابوبکر القراطیسی کی توثیق نامعلوم ہے اور دوسرے یہ کہ اس کا تعلق روایتِ حدیث سے نہیں ہے۔

۲: امام عقیلی نے محمد بن الحسن کو اپنی کتاب الضعفاء الکبیر میں ذکر کیا ہے (۴/۵۲-۵۵) اور کسی قسم کو توثیق نہیں کی۔

۳: حافظ ابن حبان نے کہا:

'' محمد بن الحسن الشيباني ، صاحب الرأي ...... وكان مرجئاً داعياً إليه ، وهو أول من ردّ على أهل المدينة ونصر صاحبه يعني النعمان ، وكان عاقلاً ليس في الحديث بشيء كان يروي عن الثقات ويهم فيها فلما فحش ذلك منه استحق تركه من أجل كثرة خطئه لأنه كان داعيةً إلى مذهبهم ''

محمد بن الحسن الشیبانی، صاحب الرائے، اور (اہلِ سنت سے خارج) مرجئی تھا اور اس (بدعت) کی طرف دعوت دیتا تھا اس نے سب سے پہلے اہلِ مدینہ پر رد کیا اور اپنے ساتھی یعنی نعمان کی حمایت کی، وہ عقل مند تھا (لیکن) حدیث میں کچھ چیز بھی نہیں جانتا تھا، وہ ثقہ راویوں سے روایتیں بیان کرتا تھا اور ان میں سے اسے وہم ہوتا تھا، جب یہ اوہام زیادہ ہو گئے تو کثرتِ خطاء کی وجہ سے وہ متروک قرار دیئے جانے کا مستحق ہو گیا، اور وہ اس (بدعتِ ارجاء) کا بڑا داعی تھا۔
(کتاب المجروحین: ۲/۲۷۵، ۲۷۶)

۴: جوزجانی (ناصبی صدوق) نے کہا:

'' أسد بن عمرو و أبو يوسف و محمد بن الحسن واللؤلؤي قد فرغ الله منهم ''
(احوال الرجال: ص۷۶، ۷۷ ت۹۶-۹۹)

۵: ابن شاہین نے اسے اپنی کتاب ''تاریخ اسماء الضعفاء والکذابین'' میں ذکر کیا ہے۔(ص:۱۶۳ ت۵۳۶)

خلاصۃ التحقیق: محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی کو درج ذیل محدثین کرام نے ضعیف و مجروح قرار دیا ہے۔

(۱) یحیی بن معین (۲) احمد بن حنبل (۳) النسائی (۴) ابوزرعہ الرازی (۵) عمرو بن علی الفلاس (۶) ابن حبان (۷) العقیلی (۸) جوزجانی (۹) ابن شاہین رحمہم اللہ اجمعین

ان کے مقابلے میں کسی امام سے محمد بن الحسن مذکور کی توثیق صراحتہً ثابت نہیں ہے۔

امام ابن المدینی، امام شافعی، اور دیگر علماء سے مروی ایک ایسی روایت بھی ثابت نہیں ہے، جس میں محمد بن الحسن کو ثقہ یا صدوق لکھا گیا ہو۔

امام دارقطنی اور امام ذہبی کے اقوال جمہور کے مخالف ہونے کی وجہ سے مردود ہیں۔

تنبیہ: نصب الرایہ للزیلعی میں امام دارقطنی کی کتاب: غرائب مالک سے ایک قول، کانٹ چھانٹ کر نقل کیا گیا ہے (۴۰۸/۱) جب تک اصل کتاب ''غرائب مالک'' یا اس سے منقول پوری عبارت نہ دیکھی جائے، اس مبتور (آدھ کٹے) قول سے استدلال صحیح نہیں ہے، زاہد الکوثری صاحب وغیرہ اس مبتور و مقطوع قول پر بغلیں بجا بجا کر خوشی کا اظہار کرتے رہے ہیں۔ (مثلاً دیکھئے تانیب الخطیب: ص۱۷۸، ۱۸۰)

حالانکہ اگر یہ قول اسی طرح من وعن ''غرائب مالک'' میں دستیاب بھی ہو جائے تو امام ابن معین و امام احمد وغیرہما کی جرح کے مقابلے میں مردود ہے۔

تنبیہ بلیغ: حافظ ذہبی نے گیارہ صفحات پر مشتمل ایک رسالہ ''ترجمۃ الإمام محمد بن الحسن الشیبانی'' لکھا ہے جس میں شیبانی مذکور کی توثیق پر ایک صحیح یا حسن روایت بھی موجود نہیں ہے، اسی طرح کوثری صاحب کا رسالہ ''محمد بن الحسن الشیبانی'' (مطبوعہ آخر تانیب الخطیب: ص۱۸۰-۱۸۶) بھی شیبانی مذکور کی صریح و ثابت توثیق سے خالی ہے، بعد والے، شیبانی کا دفاع کرنے والے سب لوگ انہی دونوں کے نقشِ قدم پر گامزن ہیں، ظفر احمد تھانوی دیوبندی نے اعلاء السنن کے مقدمے ''قواعد فی علوم الحدیث'' میں محمد بن الحسن کے دفاع کی ناکام کوشش کی ہے جس کا کافی وشافی جواب ہمارے استاد محترم ابو محمد بدیع الدین الراشدی رحمہ اللہ نے عظیم الشان کتاب ''انما الزکن فی تنقید انھاء السکن'' میں دے دیا ہے یہ کتاب ''نقض قواعد فی علوم الحدیث'' کے نام سے چھپ چکی ہے۔ (دیکھئے ص۲۹۶ تا ۳۰۱)

محمد بن الحسن الشیبانی کی تصانیف:

شیبانی مذکور سے درج ذیل کتابیں منسوب ہیں۔

۱: کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ ۲: المؤطا

۳: الآثار ۴: الجامع الصغیر

۵: السیر الصغیر ۶: السیر الکبیر وغیرہ۔

کتاب الآثار کا بنیادی راوی ابو محمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی ہے، دیکھئے کتاب الآثار مترجم اردو: ص۲۷، ترجمہ و

فوائدابوالفتح عزیزی، مطبوعہ: سعید اینڈسنز: تاجران کتب، قرآن محل، بالمقابل مولوی مسافرخانہ کراچی۔

عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی: کذاب ومجروح ہے۔

دیکھئے میزان الاعتدال (ج۲ص۴۹۶ت ۴۵۷۱) ولسان المیزان (۳۴۸/۳، ۳۴۹)

مؤطا محمد بن الحسن کی سند نامعلوم ہے، اگر شاہ ولی اللہ الدھلوی کی کتاب " اتحاف النبیه فیما یحتاج إلیه المحدث والفقیه " کی سند کو مدِ نظر رکھا جائے تو بھی مؤطا محمد بن الحسن الشیبانی: ثابت نہیں ہے، اس سند کا راوی علی بن الحسین بن ایوب: نامعلوم ہے، حسین بن محمد بن خسرو البلخی، معتزلی، غیر موثق، فیہ لین (یعنی ضعیف) ہے۔ دیکھئے لسان المیزان (۳۱۲/۲)

تیسرا راوی محمود بن عمر الزمخشری مشہور گمراہ معتزلی تھا اور نیک بنا ہوا تھا، دیکھئے میزان الاعتدال (۷۸/۴) چوتھا راوی موفق الدین احمد بن محمد خطیب خوارزم معتزلی غیر موثق ہے، پانچواں راوی ابوالمکارم المطرزی بہت بڑا معتزلی تھا، غرض یہ سند ظلمات بعضها فوق بعض ہے۔

خلاصہ یہ کہ شیبانی سے منسوب المؤطا اور کتاب الآثار دونوں غیر ثابت کتابیں ہیں جنہیں کذابین اور معتزلیوں وغیرہم نے گھڑ لیا ہے۔

نتیجة التحقیق : محمد بن الحسن الشیبانی کذاب، ضعیف اور مردود الروایہ ہے، اس سے منسوب کتابیں باسند صحیح و حسن ثابت نہیں ہیں۔

اختتام: آخر میں دیوبندی و بریلوی وحنفی حضرات کی خدمت میں مؤدبانہ عرض ہے کہ وہ غصہ تھوکتے ہوئے، اصولِ حدیث کو مدِ نظر رکھتے ہوئے، اپنے صاحبین والے ''امام'' محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی کی توثیق ثابت کرنے کی کوشش کریں اور اس سے منسوب کتابوں کی اس تک اصل اسانید پیش کر کے ان اسانید کو ثابت کر دیں، اگر وہ اس کوشش میں کامیاب ہو گئے تو شکریہ کے ساتھ اسے قبول کر کے ''الحدیث'' میں شائع کر دیا جائے گا۔

وما علینا إلا البلاغ

حافظ زبیر علی زئی

(۷ جمادی الاول ۱۴۲۵ھ بمطابق: ۲۶ جون ۲۰۰۴ء)

نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام

مولانا محمد رئیس ندوی

ہم دیکھتے ہیں کہ نماز میں بحالت قیام ناف سے نیچے ہاتھ باندھنے سے متعلق جتنی بھی روایات منقول ہیں ان کی اسانید میں کوئی نہ کوئی بہت مجروح راوی ضرور واقع ہے گویا کچھ غلط کار لوگوں نے اہل اسلام کو نماز جیسے اہم رکن میں مسلمانوں کو ورطۂ ضلالت میں ڈالنے کی نامناسب کاروائی کی ان روایات میں سے ہر ایک کی سند پر تحقیقی بحث آنے والے صفحات میں ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گی اور حقیقت پسند لوگوں کے سامنے واضح حقیقت نکھر جائے گی اور معلوم ہو جائے گا کتنے نمازیوں کی نمازیں حکم شریعت اور سنت نبویہ کے خلاف پڑھی جانے کے سبب ناقص و ناکارہ ہو کر رہ جاتی ہیں۔

زیر بحث مسئلہ میں مسالک ائمہ:

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اس کتاب میں نقل کی جانے والی سب سے پہلی حدیث امام مالک نے بھی اپنی کتاب موطا میں نقل کر رکھی ہے جس کا مقتضی (یعنی تقاضا) ہے کہ رکوع سے پہلے والے قیام میں نمازی اپنے دونوں ہاتھ سینے پر یا اس سے برائے نام ذرا سا نیچے رکھے یا باندھے اور چھٹی و ساتویں نمبر والی احادیث میں شریعت کی طرف سے ناف کے نیچے دونوں ہاتھوں کو رکھنے یا باندھنے سے منع کیا گیا ہے اور شریعت نے نماز میں جس بات سے منع کیا ہے اس کا ارتکاب نیکی و ثواب کی بجائے مواخذہ الٰہی کا سبب بنے گا اور یہ بہت واضح بات ہے کہ امام مالک نے جو حدیث اپنی مشہور کتاب ''موطا'' میں لکھی ہے اس کا معنی و مطلب و مقتضی وہ ضرور بالضرور بذات خود سمجھتے ہوں گے (۱) اس لئے اس کا لازمی مطلب یہ ہوا کہ امام مالک بذات خود رکوع سے پہلے والے قیام میں سینے پر یا اس سے ذرا نیچے دونوں ہاتھ رکھتے یا باندھتے ہوں گے اور امام مالک کا یہی مذہب (ہاتھ باندھنا عام اہل علم نے نقل بھی کیا ہے اور یہی مذہب امام شافعی کا بھی ہے اور امام اسحاق بن راھویہ کا بھی یہی مسلک ہے (صفة صلوة النبی للالبانی) امام احمد کا بھی ایک قول یہی ہے اور حنبلی مذہب کی مشہور کتاب ''الانصاف'' فی معرفة الراجح من الخلاف ج۲ ص۴۶ کا حاصل بھی یہی ہے۔ ملاحظہ ہو:'' نقل أبو طالب: يضع بعض يده على الكف وبعضها على الذراع و جزم بمثله القاضي في الجامع وزاد على الرسغ والساعد ''

اس کا حاصل یہ ہوا کہ امام احمد کا مذہب یہ تھا کہ رکوع سے پہلے والے قیام کی حالت میں نمازی اپنا داہنا ہاتھ

---

(۱) فقہ حنفی کی کتاب الھدایہ کے حاشیہ پر لکھا ہوا ہے کہ:

'' وعادته ان لا يروى حديثاً في المؤطا إلا وهو يذهب إليه و يعمل به ''

اور امام مالک کی یہ عادت ہے کہ وہ مؤطا میں صرف وہی حدیث روایت کرتے تھے جو ان کا مذہب (و مسلک) ہوتا اور اس (حدیث) پر عمل (بھی) کرتے تھے (الھدایہ اولین ص۳۱۲ حاشیہ آخر: کتاب النکاح، قبل باب فی الأولیاء والأکفاء)

بائیں ہاتھ کی ہتھیلی و گٹے اور کہنی تک رکھے اور ہم بتلا چکے ہیں کہ متواتر المعنی حدیث نبوی میں یہی حکم دیا گیا ہے کہ رکوع سے پہلے قیام میں نمازی بائیں ہاتھ کی ہتھیلی ، گٹے اور کہنی پر داہنا ہاتھ رکھے جس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ دونوں ہاتھ بحالت قیام سینے پر یا سینے سے ذرا نیچے رکھے یا باندھے ہونگے اور ان تینوں اماموں مالک وشافعی ، احمد نیز امام اسحٰق بن راھویہ وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ سینے سے ذرا نیچے نمازی بحالت قیام دونوں ہاتھ رکھے یا باندھے چونکہ ان اماموں کی یہ بات متواتر المعنی احادیث صحیحہ نبویہ سے ثابت ہے اس لئے اس موقف کو ترجیح دینی چاہئے اور ناف کے نیچے دونوں ہاتھوں کا رکھنا و باندھنا اولاً کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں ثانیاً احادیث صحیحہ متواترہ میں اس طرح ہاتھ باندھنے یا رکھنے کی ممانعت وزجر وتوبیخ آئی ہے اور اسے شیطانی (۱) فعل کہا گیا ہے لہذا اس سے دور رہنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔

نماز میں بحالت قیام سینے پر ہاتھ باندھنے سے متعلق دوسری احادیث:

مذکورہ بالا تفصیل میں حدیث نمبر چھ (٦) ودس (۱۰) جو درحقیقت متواتر المعنی ہیں لازمی طور پر دلالت کرتی ہیں کہ نمازی رکوع سے پہلے والے قیام کی حالت میں دونوں ہاتھوں کو سینے پر یا سینے سے ذرا سا نیچے رکھے یا باندھے اس لئے اس موقف پر یہ دونوں احادیث دلیل شرعی قرار پانے کے لئے بہت کافی اور واضح ہیں اس کے باوجود ہم اس موضوع پر قدرے مزید تفصیل ناظرین کرام کی تسلی کے لئے پیش کردینی مناسب سمجھتے ہیں پھر اس سنت ثابتہ صریحہ کے خلاف زورآزمائی کرنے والے تقلید پرستوں کے دلائل وشواھد کا اصول کی روشنی میں جائزہ لیں گے۔

نماز میں بحالت قیام رکوع سے پہلے سینے پر ہاتھ باندھنے پر دلالت کرنے والی آٹھویں حدیث:

۸۔ " قال الإمام أبو بكر بن خزيمة:ناابو موسى:نا مؤمل (هو إبن إسماعيل:نا سفيان عن عاصم بن كليب الجرمي عن أبيه عن وائل بن حجر قال بصليت مع رسول الله ﷺ ووضع يده اليمنى على يده اليسرى على صدره"

یعنی سیدنا وائل بن حجر سے مروی ہے کہ میں نے معیت نبوی (ﷺ) میں نماز پڑھی تو میں نے دیکھا کہ آپ نے بائیں ہاتھ پر داہنے ہاتھ کو رکھ کر اپنے سینے پر دونوں ہاتھوں کو رکھا یا باندھا (صحیح ابن خزیمہ حدیث نمبر: ۴۷۹ ج ۱، ص ۲۴۳)

رسول اللہ ﷺ کی نماز کے طریق کا مشاہدہ کرنے کے لئے سیدنا وائل بن حجر (رضی اللہ عنہ) خدمت نبویہ میں آئے تھے۔ اس لئے اس نماز سے متعلق ان کے بیانات خصوصی اہمیت کے حامل ہیں اور سیدنا وائل بن حجر سے اس حدیث کے راوی کلیب بن شہاب جرمی کو کئی اہل علم وائمہ کرام نے صحابی قرار دیا ہے مثلاً حافظ ابن خیثمہ و بغوی و ابن مندہ وابونعیم وابن عبدالبر وغیرہ (اصابہ واستیعاب) عام اہل علم نے انھیں ثقہ وحجت مانا ہے (عام کتب رجال) کلیب

(۱) یہ روایت ثابت نہیں ہے دیکھئے ص ۱۱

سے اس کے راوی ان کے بیٹے عاصم ہیں جو ثقہ وحجت (۲) ہیں (عام کتب رجال)
عاصم سے اس کے راوی سفیان ثوری ہیں جو بڑے ثقہ وحجت امام (۳) ہیں اور امام سفیان ثوری سے اسے روایت کرنے والے مؤمل بن اسماعیل (۱) عدوی متوفی ۲۰۶ھ ہیں انھیں امام ابن معین واسحاق بن راھویہ نے مطلقاً ثقہ کہا ہے اور ان سے روایت کرنے والوں میں امام احمد بن حنبل بھی ہیں جو ثقہ رواۃ سے روایت کا التزام کرتے ہیں اور کچھ ائمہ نے انھیں ثقہ وصدوق کہنے کے ساتھ کثیر الخطاء کثیر الغلط کہا ہے بعض نے کہا کہ ان کی روایت کردہ احادیث میں توقف کرنا چاہئے یعنی کہ غور کر لینا چاہئے کہ کسی مناسب معنوی متابع وشاہد سے ان کے کثیر الخطاء والغلط والی علت دور ہوگئی ہے یا نہیں اگر مناسب معنوی متابع وشواہد مل جائیں تو ان کی بیان کردہ حدیث کو حجت بنایا جائے گا ورنہ نہیں اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس حدیث سے پہلی اور پانچویں حدیث اسی معنی ومفہوم کی منقول ہو چکی ہیں لہذا یہ دونوں احادیث زیر نظر آٹھویں حدیث کی نہایت زوردار شاہد ہیں۔

ع ۔''قال البيهقي:أخبرنا أبو سعد أحمد بن محمد الصوفي انبأ أبو أحمد بن عدي الحافظ :ثنا إبن صاعد حد ثنا إبراهيم بن سعيد:ثنا محمد بن حجر الحضرمي:حدثنا سعيد بن عبد الجبار بن وائل عن أبيه عنا أمه عن وائل بن حجر قال:سيدنا رسول ﷺ إذانهض اوحين نهض الى المسجد فدخل المحراب ثم رفع يديه بالتكبير ثم وضع يمينه على يسره على صدره ''

یعنی سیدنا وائل بن حجر نے کہا کہ میں نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر نماز نبوی کا مشاہدہ کرنا چاہا جب نماز کا وقت ہوا تو آپ ﷺ مسجد میں داخل ہوئے پھر آپ نے رفع الیدین کر کے تکبیر تحریمہ کہی اور اپنے بائیں ہاتھ پر داہنے ہاتھ کو سینے پر رکھ لیا۔ (سنن بیہقی ج۲ص۳۰ ومتعدد کتب حدیث) (۲)

(۲) عاصم پر بعض اہلِ حدیث علماء (ابن المدینی) نے جرح کر رکھی ہے جو کہ جمہور کی توثیق کے مقابلے میں مردود ہے۔ راجح یہی ہے کہ عاصم بن کلیب ثقہ وصدوق وصحیح الحدیث ہے۔

(۳) بہت بڑے ثقہ وحجت امام ہونے کے ساتھ سفیان ثوری رحمہ اللہ مشہور مدلس ہیں دیکھئے ص۱۶، اور یہ روایت عن سے بیان کر رہے ہیں، اصول حدیث میں یہ مسئلہ طے شدہ ہے کہ مدلس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے لہذا یہ روایت سفیان ثوری کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے، دیکھئے الحدیث:۱ص۲۶

(۱) مؤمل مذکور جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق ہے لہذا حسن الحدیث ہے۔ اس کی سفیان ثوری سے روایت صحیح ہوتی ہے دیکھئے میرا رسالہ ''اثبات التعدیل فی توثیق مؤمل بن إسماعیل'' اور الحدیث حضرو:۱ص۲۵، ۲۶

(۲) یہ روایت الکامل لابن عدی (۶/۲۱۲۶) میں موجود ہے اور بلحاظِ سند ضعیف ہے۔ اُم یحیٰی مجہولہ ہیں اور محمد بن حجر مجروح ہے۔

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ اس حدیث نبوی میں بھی یہی منقول ہے کہ ہمارے نبی ﷺ نماز پڑھتے وقت رکوع سے پہلے والے قیام میں دونوں ہاتھ سینے پر رکھتے یا باندھتے تھے۔اس حدیث کی سند پر بعض حضرات نے کلام کیا ہے وہ یہ کہ یہ حدیث سیدنا وائل بن حجر سے ان کی بیوی نے نقل کی ہے جو سیدنا وائل کے صاحبزادے عبدالجبار کی ماں تھیں ان کا نام''ام یحیی''تھا ان سے ان کے ثقہ بیٹے عبدالجبار بن وائل نے یہ حدیث روایت کی ہے اور ظن غالب یہی ہے کہ والدۂ عبدالجبار یعنی زوجۂ وائل صحابیہ ہوں گی اور صحابیہ نہ ہونے کی صورت میں موصوفہ کا تابعیہ ہونا متحقق ومتعین ہے مگر ان کے صحابیہ ہونے سے عدول کر کے تابعیہ کہنا خلاف ظاہر ہے۔

خلاف ظاہر انھیں تابعیہ فرض کرنے کی صورت میں حافظ ذھبی کی اواخر میزان میں یہ صراحت ہے کہ:

'' وما علمت فی النساء من اتهمت ولا من ترکوها''

ایسی عورتیں میرے علم کے مطابق نہ کوئی متہم ہیں نہ متروکہ(۳) ہیں۔(میزان الاعتدال مطبوع دارالفکر ج۴ص۶۵)
اور حافظ ابن حبان اور ان کے ہم مذہب ائمہ کرام کے اصول سے موصوفہ ثقہ قرار پاتی ہیں نیز ان کی معنوی متابعت امام کلیب بن شہاب اور ان جیسے بیسیوں ائمہ ثقات تابعین نے کر رکھی ہے اور عبدالجبار بن وائل کے ثقہ وثبت ہونے پر اہل علم متفق نظر آتے ہیں اور عبدالجبار کے معنوی متابع بھی کئی ثقہ ومعتبر رواۃ ہیں۔

عبدالجبار سے ان کے صاحبزادے سعید(۱) بن عبدالجبار بن وائل نے روایت کیا ہے انہیں امام ابن حبان نے ثقہ اور امام نسائی نے'' لیس با لقوی '' کہا ہے۔لیس بالقوی کا لفظ جرح مجمل ومبہم ہے اس لئے توثیق کے بالمقابل یہ تجریح کالعدم ہے اور موصوف سعید کا ثقہ ہونا ہی راجح ہے ان کے معنوی متابع وشواہد بھی متعدد ہیں۔

سعید سے روایت کرنے والے محمد بن حجر(۲) حضرمی کو امام ابوحاتم رازی نے''شیخ''کہا ہے اور امام بخاری نے ان پر بعض کلام کیا ہے لہذا موصوف کو صحیح الحدیث نہ مان کر حسن الحدیث ماننا چاہئے اور اپنے متعدد متابع وشواہد سے مل کر ان کی حدیث صحیح شواہد سے مل کر ان کی حدیث صحیح کے درجے کو پہنچ جاتی ہے سعید سے اس کے ناقل ابراھیم بن سعید جوہری ثقہ ہیں اور ان تک پہنچنے والی سند بھی معتبر ہے لہذا اپنے معنوی متابع وشواہد سے مل کر یہ حدیث صحیح ہے۔

تنبیہ بلیغ:

بعض احادیث میں دونوں ہاتھوں کو رکھنے یا باندھنے کے مقام کی تصریح کے بغیر '' وضع الکف علی الکف من

(۳)متہم ومتروکہ نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ مجہولہ بھی نہیں ہیں۔جس کی معتبر توثیق ثابت نہ ہو اس کی روایت سے استدلال صحیح نہیں ہے
(۱)سعید بن عبدالجبار کے بارے میں راجح یہی ہے کہ وہ ضعیف ہے دیکھئے تقریب التھذیب(۲۳۴۴)
(۲)محمد بن حجر کے بارے میں راجح یہی ہے کہ وہ ضعیف ہے۔جمہور محدثین نے اس پر جرح کی ہے دیکھئے لسان المیزان وغیرہ،

السنۃ " کالفظ بھی آیا ہے جیسا کہ متعدد کتب حدیث میں صراحت ہے یعنی آپ ﷺ بحالت قیام رکوع سے پہلے بائیں ہتھیلی پر دائیں ہتھیلی رکھتے تھے اور بحالت قیام سینے پر دونوں ہاتھ باندھنے یا رکھنے کی ایک صورت یہ بھی ہے لہٰذا اس معنی کی روایات سینے پر ہاتھ رکھنے کے منافی نہیں۔

۱۰۔نماز میں بحالت قیام سینے پر ہاتھ باندھنے پر دلالت کرنے والی دسویں حدیث:

نماز میں بحالت قیام رکوع سے پہلے سینے پر دونوں ہاتھ باندھنے پر دلالت کرنے والی دسویں حدیث نبوی یہ ہے:

" قال الإمام أحمد بن حنبل: حدثنا يحيى بن سعيد عن سفيان: ثنا سماك عن قبيصة بن هلب عن أبيه قال: رأيت رسول الله ﷺ ينصرف عن يمينه وعن يساره و رأيته يضع هذه على صدره ووصف يحيى اليمنى على اليسرى فوق المفصل " (مسند احمد ج۵ ص۲۲۶)

مذکورہ بالا حدیث کی تصحیح:

رسول اللہ ﷺ سے روایت کرنے والے صحابی کا نام جو ہلب بتایا گیا ہے وہ موصوف کا لقب ہے ان کا اصل نام "یزید بن عدی بن قنافۃ بن عدی بن عبدالشمس بن عدی بن اخرم رضی اللہ عنہ طائی" ہے موصوف ہلب یزید بن عدی طائی فتح مکہ مکرمہ کے موقع پر ایمان لائے تھے اور یہ معلوم ہے کہ ہر صحابی کا ثقہ و عادل ہونا منصوص و مجمع علیہ ہے تمام کتب تراجم صحابہ میں ان کا تذکرہ موجود ہے ان سے یہ حدیث ان کے جلیل القدر بیٹے قبیصۃ بن ہلب طائی نے روایت کی ہے قبیصۃ بن ہلب کو امام عجلی و ابن حبان وغیرہ نے ثقہ کہا ہے کسی نے ان پر کسی قسم کی تجریح نہیں کی ہے بعض نے انھیں مجہول کہا ہے اور توثیق صریح کے بالمقابل مجہول کہنا کالعدم ہے اس کا کوئی بھی اعتبار نہیں ہے یہ اصول بھی متفق علیہ ہے۔

قبیصہ سے اس حدیث کے ناقل سماک بن حرب بن اوس ذہلی البکری کوفی (۱۲۳ھ) ہیں امام ابن عدی نے ان کی بابت کہا: **" ولسماك حديث كثير مستقيم إن شاء الله وهو من كبار التابعين وأحاديثه حسان وهو صدوق لا بأس به "**

یعنی موصوف سماک بن حرب کبار تابعین میں سے صدوق راوی ہیں ان روایت کردہ احادیث حسن درجہ کی معتبر ہیں ان میں کوئی بھی خرابی نہیں ان کی روایت کردہ بہت ساری احادیث "مستقیم" یعنی صحیح "حسن" ہیں۔ یہ آخری عمر میں مختلط ہو گئے تھے اس لئے بعض نے ان پر معمولی قسم کی تجریح کی ہے مگر یہ تجریح ظاہر ہے کہ ان کے مختلط ہونے کے بعد کی ہے اور مختلط ہونے سے پہلے ان پر کسی نے تجریح نہیں کی بلکہ عام ائمہ فن نے ان کی توثیق کی ہے (۱) مثلاً ابن معین، ابو حاتم الرازی، و امام احمد، و عجلی وغیرہ اور ان سے اس حدیث کے راوی امام سفیان ثوری ہیں جنہوں نے ان سے اختلاط

(۱) راقم الحروف نے سماک بن حرب کی توثیق پر ایک رسالہ لکھا ہے "نصر الرب فی توثیق سماک بن حرب" والحمد للہ

سے پہلے سماع کیا ہے اختلاط سے پہلے ان کی بیان کردہ احادیث کو امام یعقوب بن شیبہ نے "صحیح مستقیم" کہا ہے لہذا یہ حدیث صحیح مستقیم ہے۔ (ماحصل از تہذیب التہذیب ج۴ ص ۲۰۴، ۲۰۵ و عام کتب رجال)

ان سے یہ حدیث امام سفیان ثوری جیسے عظیم المرتبت ثقہ محدث نے نقل کی ہے انہوں نے سماک سے اختلاط سے پہلے سماع کیا ہے نیز امام سفیان نے یہ حدیث سماک سے بصیغۂ تحدیث نقل کی ہے امام ثوری مشہور مدلس ہیں مگر مدلس کی تصریح تحدیث والی روایات متفق علیہ طور پر صحیح ہوتی ہیں سفیان ثوری سے یہ حدیث یحیی بن سعید بن فروخ قطان نے نقل کی جن کی ثقاہت و امامت متفق علیہ ہے موصوف صحیحین اور دوسری کتب حدیث کے رواۃ میں سے ہیں اور ان سے یہ حدیث امام احمد بن حنبل نے نقل کی ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ زیر بحث حدیث، ھلب صحیح و حسن و معتبر ہے اور حجت اور دلیل صریح ہے اور یہ حدیث اپنے سے پہلے مذکورہ احادیث کی قوی و زوردار معنوی متابع و شاہد ہے ہماری ذکر کردہ یہ دس احادیث صریحہ صحیحہ ہمارے موقف پر دلیل قاطع ہیں۔ ان کے خلاف جو بھی روایت ہے وہ ساقط الاعتبار اور ناقابل حجت ہے بلکہ احادیث صحیحہ صریح کے معارض و مخالف ہونے کے سبب کالعدم اور مردود ہے۔

۱۱۔ مرسل حدیث طاؤس یمانی:

" قال الامام أبو داؤد حدثنا: أبو توبة: حدثنا الهيثم بن حميد عن ثور عن سليمان بن موسى عن طاؤس قال: كان رسو ل الله ﷺ يضع يده اليمنى على يده اليسرى ثم يشد بينهما على صدره وهو في الصلاة"

یعنی امام طاؤس یمانی نے کہا کہ نماز میں بحالت قیام رکوع سے پہلے رسول اللہ ﷺ اپنے بائیں ہاتھ پر داہنا ہاتھ رکھ کر سینے پر باندھتے تھے (سنن ابی داؤد مع عون المعبود حدیث نمبر: ۷۵۵ ج۲ ص ۳۲۷ و کتاب المعرفۃ للبیہقی)

مذکورہ بالا حدیث مرسل ہے کیونکہ امام طاؤس یمانی تابعی ہیں اور انہوں نے اس کا ذکر نہیں کیا کہ کسی صحابی سے انہوں نے نقل کیا ہے البتہ طاؤس تک اس کی سند صحیح و حسن و معتبر ہے جس کی تفصیل ابکار المنن ج۱ ص ۳۷۳، ۳۷۴ و عون المعبود ج۲ ص ۳۲۷، ۳۲۸ و تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی میں ہے۔

مرسل حدیث امام ابوحنیفہ اور تمام احناف و امام مالک کے یہاں مطلقاً حجت ہے اور امام شافعی اور دوسرے ائمہ کے نزدیک بعض شرائط موجود ہیں جن کی بنیاد پر مرسل حدیث حجت ہوتی ہے اس کی تفصیل ابکار المنن و عون المعبود و تحفۃ الاحوذی میں ہے نیز اس مرسل حدیث کے دس معتبر متابع و شواہد کا ذکر ہم کر آئے ہیں لہذا اپنے اتنے سارے متابع و شواہد کے سبب یہ حدیث معنوی طور پر متصل صحیح اور قابل حجت ہے۔ (۱)

(۱) ہماری تحقیق میں مرسل ضعیف ہوتی ہے، تاہم اسے صحیح یا حسن لذاتہ حدیث کی تائید میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

۱۲۔حدیث علی مرتضی خلیفۂ راشد:

" قال الإمام أبو داؤد: حدثنا محمد بن قدامة بن أعين عن أبي طالوت عبد السلام عن غزوان بن جرير الضبي عن أبيه قال: رأيت علياً رضی الله عنه يمسك شماله بيمينه على الرسغ فوق السرة"

جریرضبی نے کہا کہ میں نے سیدنا علی بن ابی طالب خلیفۂ راشد رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ نماز میں بحالت قیام (رکوع سے پہلے) وہ اپنے بائیں ہاتھ پر داہنے ہاتھ کو ناف سے اوپر رکھتے تھے۔(سنن ابی داؤد مع عون المعبود حدیث نمبر۷۵۳ص۳۵۳)

مذکورہ بالا حدیث کی سند معتبر ہے جیسا کہ تفصیل ابکار المنن میں ہے یہ حدیث سیدنا علی پر موقوف ہے مگر معنوی طور پر مرفوع ہے نیز حدیث نبوی بلکہ قرآن مجید میں خلفائے راشدین سمیت اُولوالأ مر کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے جبکہ ان کا فعل وقول نصوص قرآنیہ ونصوص نبویہ کے خلاف نہ ہو اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ خلیفۂ راشد کا یہ عمل نصوص نبویہ کے مطابق ہے، ناف کے اوپر ہاتھ رکھنے سے مراد دوسری احادیث صحیحہ کے پیش نظر سینہ پر یا سینہ سے ذرا سا نیچے ہاتھ رکھنا ہے جیسا کہ بہت ظاہر ہے اور سیدنا علی مرتضی جیسے خلیفۂ راشد سے یہی توقع ہے کہ وہ یہ عمل سنت نبویہ ونصوص قرآنیہ کے مطابق کرتے تھے۔اور ہم اس سے پہلے گیارہ احادیث معتبرہ صحیحہ پیش کر چکے ہیں جن کا مقتضی و معنی ہے کہ نبی ﷺ سینے پر یا سینے سے ذرا سا نیچے نماز میں بحالت قیام رکوع سے پہلے دونوں ہاتھ باندھا کرتے تھے پس آپ ﷺ کی اسی سنت پر خلیفۂ راشد سیدنا علی کرم اللہ وجھہ عمل کرتے تھے۔ہم کو تمام صحابہ کی بابت یہ عقیدہ رکھنا فرض ہے کہ وہ سنت نبویہ اور نصوص قرآنیہ پر عمل کرتے تھے اس عموم سے صرف اسی صحابی کو مستثنی قرار دیا جا سکتا ہے جس کی بابت قوی ومعتبر وصحیح دلیل سے ثابت ہو کہ اس نے فلاں نص نبوی سنت نبوی ونص قرآنی کے خلاف عمل کیا یا فتوی دیا۔دریں صورت اس صحابی کی طرف سے کہا جائے گا کہ اسے سنت نبویہ ونص قرآنی کا علم نہیں ہو سکا یا بھول چوک میں اس سے خلاف سنت عمل سرزد ہو گیا اور ہم دیکھتے ہیں کہ کسی بھی صحابی سے بسند معتبر ثابت نہیں کہ اس نے نماز میں بحالت قیام رکوع سے پہلے سینے یا سینے سے ذرا نیچے ہاتھ باندھنے کی بجائے ناف پر یا ناف سے نیچے ہاتھ باندھیں ہوں۔اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس معاملہ میں تمام ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع سکوتی ہے کہ سینے پر یا سینے سے برائے نام نیچے ہاتھ باندھنا ہی مشروع ومسنون ہے اس لئے جو لوگ مذکورہ بالا روایات معتبرہ کے خلاف عمل کرتے ہوئے نماز میں بحالت قیام رکوع سے پہلے ناف کے نیچے یا ناف پر ہاتھ باندھتے ہیں وہ اللہ ورسول اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مخالفت کرتے ہیں کیوں کہ اللہ تعالی نے اہل اسلام کو اتباع نبوی اور اتباع اجماع صحابہ(۱) کا حکم دیا ہے اور اجماع صحابہ کی خلاف ورزی پر وعید

(۱)صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد بھی اگر واقعی اجماع ثابت ہو جائے تو شرعی حجت ہے۔

شدید فرمائی ہے۔

۱۳۔نص قرآنی ﴿ **فصل لربك وانحر** ﴾ کی تفسیر سیدنا علی خلیفہ راشد نے سینے پر ہاتھ باندھنے سے کی:

خلیفۂ راشد سیدنا علی مرتضی سے مندرجہ بالا حدیث مروی ہے جس کا مطلب ہے نماز میں بحالت قیام رکوع سے پہلے سینے پر ہاتھ باندھنا مشروع ومسنون ہے۔اسی طرح متعدد محدثین ومفسرین نے نقل کیا ہے کہ سیدنا علی مرتضی نے قرآنی فرمان ﴿ **فصل لربك وانحر** ﴾ میں واقع لفظ" **انحر** " کا معنی ومطلب یہ بتلایا ہے کہ نماز میں بحالت قیام رکوع سے پہلے سینے پر دونوں ہاتھ باندھے یا رکھے جائیں سیدنا علی مرتضی سے یہ تفسیر امام بیہقی وابن ابی شیبہ وابن المنذ روابن ابی حاتم والدارقطنی وابوالشیخ والحاکم وابن مردویہ نے نقل کی ہے اور یہی تفسیر ابن عباس وانس بن مالک سے بھی مروی ہے۔(تفسیر درمنثور سورہ کوثر۔مصنف ابن ابی شیبہ ج اص ۳۹۰ والتاریخ الکبیر للبخاری وتفسیر ابن جریر ج ۳۰ص ۱۸۳ و سنن بیہقی ج ۲ص ۲۹، ۳۰ والمستدرک ج ۲ص ۵۳۷، ۵۳۸) شیخ ملا اللہ داد نے ھدایہ کے حواشی میں لکھا ہے کی چونکہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے والی حدیث علی ضعیف ہے اور انہیں سیدنا علی مرتضی سے سورہ کوثر کی تفسیر ''وانحر'' میں سینے پر ہاتھ باندھنا منقول ہے لہذا اسی تفسیر کا اختیار کرنا واجب ہے (حواشی علی الھدایہ لملا اللہ داد وابکار المنن ج اص ۳۹۵ وتحفۃ الأحوذی شرح ترمذی ج اص ۲۱۵)

ملا اللہ داد حنفی اور عینی حنفی نے بھی سینے پر ہاتھ باندھنے والی احادیث کو صحیح اور ناف پر یا ناف سے نیچے ہاتھ باندھنے والی احادیث کو ضعیف اور نا قابل وثوق کہا ہے اسی طرح کی بات مشہور حنفی کتاب ''البحر الرائق'' میں بھی کہی گئی ہے اور مرزا مظہر جاناں اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی بھی سینے پر ہاتھ باندھنے کے قائل تھے جیسا کہ تفصیل ہماری کتاب ''ضمیر کا بحران (۱)'' میں ہے۔

تنبیہ اول:

احناف اپنے فقہی مذہب کا سلسلہ عام طور سے سیدنا عبداللہ بن مسعود صحابی (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ جوڑتے ہیں اور وہ مدعی ہیں کہ جس طرح ائمہ احناف خصوصاً امام ابوحنیفہ سے کسی فقہی موقف میں غلطی کا صدور مستبعد ہے اسی طرح سیدنا ابن مسعود سے بھی، حالانکہ متعدد کتب حدیث میں بسند معتبر مروی ہے کہ سیدنا ابن مسعود نماز میں بحالت قیام رکوع سے پہلے داہنے ہاتھ پر بایاں ہاتھ رکھ کر باندھتے تھے ان کو ایک بار ہمارے نبی ﷺ نے اسی طرح ہاتھ باندھتے دیکھ لیا تو آپ نے ان کے بائیں ہاتھ پر داہنا ہاتھ رکھ دیا۔(ملاحظہ ہو سنن ابی داؤد مع عون المعبود جلد دوم رقم الحدیث ۷۵۵ ص ۳۲۲ واخرجہ

(۱) یہ کتاب ۴۶۹ صفحات پر ادارۃ البحوث العلمیۃ، جامعہ سلفیہ بنارس، ہندوستان سے شائع شدہ ہے اور انتہائی بہترین کتاب ہے۔

النسائی وابن ماجہ وقال فی فتح الباری: اسنادہ حسن)

تنبیہ ثانی:

احناف کا فتوی ہے کہ نماز میں بحالت قیام رکوع سے پہلے دونوں ہاتھ باندھنے کے معاملہ میں مردوں اور عورتوں کے درمیان تفریق ہے عورتیں اپنے ہاتھ سینے پر باندھیں اور مرد سینے سے بہت نیچے حتی کہ ناف سے بھی نیچے باندھیں ان کا یہ مضحکہ خیز فتوی بہر حال شرعی دلیل سے عاری وخالی ہے ان کے اس دوغلے موقف پر کوئی بھی دلیل نہیں ہے۔

((سینے کی بجائے ناف سے نیچے ہاتھ باندھنے والوں کے دلائل کا جائزہ))

۱۴: **"أخرج غير واحد من المحدثين في كتبهم بأسانيد هم إلى وكيع قال: حدثنا موسى بن عمير العنبري عن علقمة بن وائل الحضرمي عن أبيه قال: رأيت رسول الله ﷺ واضعاً يمينه على شماله في الصلوة"**

یعنی سیدنا وائل بن حجر حضرمی نے کہا کہ میں نے نماز میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ بحالت قیام رکوع سے پہلے اپنے بائیں ہاتھ پر داہنا ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔ (مسند احمد ج ۴ص ۳۱۶ وسنن دارقطنی ج ۱ص ۲۸۶ وفتح الغفور، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ص ۳۹۰ ونور السنہ لعلامہ محمد فاخر زائر الحرم مطبوع محمدی لاہور ۱۲۹۶ص ۶ وبیہقی ج ۲ص ۲۹، ۳۰)

اس حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ نمازی اپنے دونوں ہاتھ کہاں باندھے سینے پر یا سینے سے ذرا نیچے یا ناف پر یا ناف سے نیچے مگر مصنف ابن ابی شیبہ کے کسی نسخہ میں کسی ناخدا ترس نے عملاً یا کسی کاتب نے سہواً اس حدیث کے آخر میں "**تحت السرة**" کا لفظ بڑھا دیا جس کا مطلب یہ ہو گیا کہ سیدنا وائل نے آپ ﷺ کو نماز میں دیکھا کہ بائیں ہاتھ پر داہنا ہاتھ ناف کے نیچے رکھے ہوئے تھے لیکن عام کتب حدیث میں یہ لفظ موجود نہیں اور مشہور ہندوستانی حنفی المذہب تقلید پرست نیموی نے اعتراف کیا ہے کہ "مصنف ابن ابی شیبہ" میں اس حدیث کے آخر میں جو ایک جملہ بڑھا دیا ہے "**تحت السرة**" وہ غیر محفوظ اور ضعیف ہے۔ (آثار السنن مع التعلیق الحسن ج ۱ص ۷۰، ۷۱) یہ لفظ یا تو کسی تقلید پرست ناخدا ترس حنفی نیا اس حدیث میں بطور الحاق اپنی طرف سے لکھ دیا ہے جیسا کہ متعدد حنفیوں میں یہ عادت پائی جاتی ہے یا پھر ناسخ یا کاتب سے سہواً یہ لفظ اس میں داخل ہو گیا بہر حال حنفی تقلید پرستوں میں سے کئی اہل علم مثلاً نیموی، شیخ اللہ داد وغیرہ نے اس لفظ کو مدخول اور غیر محفوظ وغیر معتبر کہا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ کیونکہ سیدنا وائل سے بسند معتبر ثابت ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ کو نماز میں بحالت قیام سینے پر ہاتھ باندھے ہوئے دیکھا اور ارشاد نبوی ہے کہ "**صلوا كما رأيتموني أصلي**" تم لوگ اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔ زیر نظر روایت اولاً الحاق (والی) وغیر محفوظ ہے۔ ثانیاً احادیث معتبرہ ثابتہ کے معارض ہے اگر یہ روایت معتبر ہوتی تو تطبیق کے لئے کہہ دیا جاتا کہ دونوں طرح سے نماز میں ہاتھوں کا باندھنا صحیح اور درست ہے جس طرح بھی نمازی چاہے کرے

لیکن ساقط الاعتبار روایت کو ثابت شدہ احادیث کے بالمقابل رد کر دینا ہی ضروری ہے۔ثالثاً: سیدنا وائل (رضی اللہ عنہ) سے مروی اس حدیث کا ذکر آچکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں بحالت قیام رکوع سے پہلے سینے پر ہاتھ باندھتے تھے اور یہ حدیث اپنے شواہد کے ساتھ صحیح اور معتبر ہے لہذا زیر نظر یہ حدیث احادیث صحیحہ کے معارض ہوئی اور اس معارضہ کے باوصف اس کا غیر محفوظ والحاق ہونا واضح ہے لہذا زیر ناف ہاتھ باندھنے والی یہ حدیثِ وائل رد ہی ہے۔(۱)

صاحب ھدایہ حنفی کا کمال:

صاحب ھدایہ نے اپنی کتاب ھدایہ میں جو احناف کے یہاں کالقرآن کہی جاتی ہے اپنے موقف پر استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

'' **لقوله عليه السلام: إن من السنة وضع اليمين على الشمال تحت السرة** ''

یعنی ہم احناف نے اپنا یہ موقف اس لئے اختیار کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ نماز میں بحالت قیام رکوع سے پہلے بائیں ہاتھ پر دائنے ہاتھ کو ناف کے نیچے رکھنا سنت ہے (ہدایہ مع شرحہ عین الھدایہ ج اص ۴۴۹)

صاحب ھدایہ کی اس جہالت آفریں ظرافت پر اس کے اردو مترجم و شارح جسٹس امیر علی نے فرمایا:

''مترجم کہتا ہے کہ ظاہراً عبارت یوں تھی "**بقول علي: إن من السنة الخ**" اس کو نادان لکھنے والوں نے علی کا حرف پڑھ کر بے ربط جانا اور اس کی جگہ پر لقولہ علیہ السلام کر دیا کیوں کہ صحابی کا یہ کلام خود بظاہر ہے کہ سنت سے یہ ثابت ہے یعنی پیغمبر علیہ السلام کی سنت سے ہے نہ آنکہ خود پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا'' الخ (ھدایہ مع عین الھدایہ ج اص ۴۴۹ص ۴۵۰)

صاحب عین الھدایہ نے یہ کہا کہ زیر نظر حدیث سنن ابی داؤد کے بعض نسخوں میں ہے اس کو امام احمد و دارقطنی وبیہقی نے روایت کیا ہے امام نووی نے کہا کہ اس روایت کے ضعیف ہونے پر ائمہ حدیث متفق ہیں (عین الھدایہ ج اص ۴۵۰)

ہم کہتے ہیں کہ جب حنفی ہی شارح نے اس حدیث کا متفق علیہ طور پر ضعیف ہونا تسلیم کیا ہے تو اس کے ساقط الاعتبار ہونے پر کیا شک ہوسکتا ہے۔

اس حدیث کی سند کا دار و مدار عبدالرحمٰن بن اسحاق بن سعد بن الحارث ابوشیبہ واسطی انصاری پر ہے اسے

....

(۱) راقم الحروف نے مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت پر تفصیلی بحث کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ''تحت السرۃ'' کے الفاظ اصل نسخوں میں موجود نہیں ہیں۔ دیکھئے ''نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام'' ص ۲۶، ۲۷

یہ الفاظ سب سے پہلے قاسم بن قطلو بغا (کذاب بقول المحدث البقاعی: الضوء العامع ۶/ ۱۸۶) نے پیش کئے تھے۔

امام احمد نے ضعیف ، منکر الحدیث ، لیس بشی ٔ کہا ہے اور امام یحیی بن معین نے بھی اس طرح کی تجریح کی ہے ۔ امام ابن سعد، یعقوب بن سفیان وابوداؤد سجستانی ونسائی وابن ماجہ وابن حبان نے ضعیف کہا۔ امام بخاری نے کہا " فیه نظر " اس لفظ کے ساتھ جس راوی کی تجریح امام بخاری کریں وہ بہت زیادہ مجروح وساقط الاعتبار ہوتا ہے امام ابوزرعہ رازی نے اسے " لیس بقوي " کہا، ابوحاتم رازی نے " ضعیف الحدیث منکر الحدیث لایحتج " کہا۔

(ماحصل از تہذیب التہذیب ومیزان الاعتدال ترجمہ عبدالرحمان بن اسحاق واسطی)

حافظ ابن حبان نے اس کی بابت مزید کہا" کان ممن یقلب الإسناد والأخبار وینفرد بالمناکیر عن المشاهیر لایحل الاحتجاج بخبره "(المجروحین لابن حبان ج۲ص۵۲،۵۵)

ظاہر ہے کہ یہ تجریح بھی بہت سخت ہے اس لئے اس کی بیان کردہ اس حدیث کو تمام ائمہ جرح وتعدیل نے متفقہ طور پر ضعیف وساقط الاعتبار کہا ہے اور امام بیہقی نے اس کو متروک کہا ہے۔(سنن کبیر للبیہقی ج۲ص۵۳)

مسخ حقائق اور قلب وقائع اور قرآن مجید وحدیث شریف میں تحریف لفظی ومعنوی کے عادی احناف میں سے ابن الترکمانی نے سنن بیہقی کے باب " وضع الیدین علی الصدر" بزعم خویش احناف والی مصطلح امانت داری اور تحقیقی دیانت داری کا حیرت انگیز مظاہرہ کرتے ہوئے سیدنا علی مرتضی سے مروی حدیث

" عن علي أنه قال فی هذه الآیة ﴿ فصل لربك وانحر ﴾ قال وضع یده الیمنی علی وسط یده الیسری ثم وضعها علی صدره " پر اپنی مصطلح دادِتحقیق ظاہر کرتے ہوئے کہا" قلت قد تقدم هذا الأثر فی باب الذي قبل هذا الباب وفی سنده و متنه اضطراب " یعنی میں ابن الترکمانی کہتا ہوں کہ سیدنا علی کا اثر مذکور اس باب والے اثر مذکور کے پہلے والے باب میں گزر چکا ہے کہ اس کی سند ومتن میں اضطراب ہے'' (الجوہر النقی مع سنن بیہقی ج۲ص۴۰)

حالانکہ باب مذکور والے باب سے پہلے والے باب میں اس اثر علی مرتضی پر ابن الترکمانی نے اس کی سند ومتن کے اضطراب کی طرف کسی قسم کے اضطراب کی طرف ذرہ برابر اشارہ نہیں کیا اور نہایت شرافت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس پر کسی طرح کے اظہار اضطراب کے بغیر اپنی معروف معصومیت ظاہر کرتے ہوئے گزر گئے اور نہ از روئے تحقیق اس حدیث کی سند ومتن میں کوئی اضطراب (۱) وعلت ہے۔

قرآنی آیت ﴿ فصل لربك و انحر ﴾ کی معنوی تفسیر نبوی یہ کی گئی ہے کہ نماز میں بحالت قیام رکوع سے پہلے دونوں ہاتھ سینے پر باندھیں۔

امام ابوشیخ ابومحمد بن حیان نے کہا:

۱۸: ثنا أبو الحریش الکلابي:ثنا شیبان:حدثنا حماد بن سلمة عن عاصم الجحدري عن أبیه

(۱) **عن عقبة بن صهبان كذا قال إن علياً رضي الله عنه وقال في هذه الآية ﴿ فصل لربك وانحر ﴾ قال: وضع يده اليمنى على وسط يد ه اليسرى ثم وضعها على صدره "**

یعنی عقبہ بن صہبان نے کہا کہ سیدنا علی مرتضیٰ خلیفۂ راشد نے فرمایا کہ سورۃ کوثر کی آیت ﴿ **فصل لربك و انحر** ﴾ کا معنی ومطلب یہ ہے کہ نمازی بحالت قیام رکوع سے پہلے اپنے بائیں ہاتھ کے وسط (بیچ) پر اپنا داہنا ہاتھ سینے پر رکھے (سنن بیہقی مع الجوہر النقی ج ۲ ص ۳۰)

مذکورہ بالا روایت میں سیدنا علی مرتضیٰ خلیفۂ راشد نے سورہ کوثر کی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر یہ بتلائی کہ نمازی اپنے بائیں ہاتھ کے وسط پر اپنا داہنا ہاتھ رکھے پھر دونوں ہاتھوں کو اپنے سینے پر باندھے اور بائیں ہاتھ کا وسط دوسری احادیث سے ہاتھ کا وسط گٹھا (پہونچا) یا اس کے اوپر قرار پاتا ہے اور بائیں ہاتھ کے گٹھے (پہونچے) یا اس سے کچھ اوپر داہنا ہاتھ رکھنے پر دونوں ہاتھ سینے پر یا اس سے برائے نام نیچے رکھے جاسکیں گے جس طرح ہاتھ باندھنے کا طریقہ اس روایت میں بتلایا گیا ہے اس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ نمازی بحالت قیام رکوع سے پہلے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر یا سینے سے کچھ نیچے رکھ سکے گا اس طرح بندھے ہوئے ہاتھ ناف سے نیچے رکھنے میں تکلف وتکلیف سے کام لینے کے ساتھ ہی ساتھ نمازی پر اچھی خاصی مشکل و پریشانی لاحق ہوگی جس سے نمازی کا سکون واطمینان باقی نہیں رہ سکے گا حالانکہ جس طرح نماز پڑھنے میں پرسکون ومطمئن رہنے کا حکم شریعت میں دیا گیا ہے اور تکلف اور تکلیف اٹھانے سے منع کیا گیا ہے اس طرح نمازی نماز نہ پڑھ سکنے کی سبب خلجان واطمینان وسکون سے محروم رہے گا اور اس طرح کی نماز پڑھنے سے اس طرح کی پریشانی وزحمت نمازی کو لاحق ہوگی جس طرح کی پریشانی وزحمت پیشاب و پاخانہ اور کھانا رہتے ہوئے شدید بھوک وکھانے کی خواہش میں ہوتی ہے اور اس طرح کی نماز پڑھنے سے شریعت نے منع کیا ہے اس کا دوسرا مطلب یہ ہوا کہ نمازی کو بحالت قیام ناف کے نیچے دونوں ہاتھ رکھ کر نماز پڑھنے سے شریعت میں منع کیا گیا ہے بلکہ اس حدیث میں پوری صراحت کے ساتھ سینے پر ہاتھ رکھ کر نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور شریعت کی اس صراحت ووضاحت کی مخالفت بہت زیادہ غلط کاری ہے اور سیدنا علی کی یہ بات معنوی طور پر حدیث نبوی کے حکم میں ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ سیدنا علی جیسا خلیفۂ راشد نص (دلیل) کے خلاف جان بوجھ کر اپنی رائے وقیاس پر کام لے۔ اس طرح کا قول وفعل صحابی مرفوع معنوی کا حکم رکھتا ہے چہ جائیکہ کہ خلیفۂ راشد کی اس طرح والی بات اور شریعت نے اللہ ورسول کی اطاعت کے ساتھ اولوالامر کے حکم کی پابندی کو واجب قرار دیا ہے بشرطیکہ خلیفۂ راشد یا کسی بھی صحابی کی بات (ہر لحاظ سے) خلاف نصوص قرآنیہ ونصوص نبویہ نہ ہو اور یہاں پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول مذکور خلاف نصوص ہونا مستبعد ہے بلکہ نص شرعی کے عین مطابق ہے۔ **كما سيأتي**

---

(۱) دیکھئے ص ٦

(۲) العجاج تابعی کا ثقہ ہونا کسی سے ثابت نہیں ہے لہذا قول راجح میں وہ مجہول الحال ہے۔

حدیث مذکور کی سند پر بحث:

سیدنا علی مرتضی سے حدیث مذکور کے ناقل عقبہ بن صہبان تقریب التہذیب کے طبقہ ثالثہ کے ثقہ وصحیح الحدیث راوی ہیں تقریب التہذیب وتھذیب التھذیب جلد ۷ ص ۳۱۵ وعام کتب رجال وعقبہ بن صہبان تک پہنچنے والی سند معتبر ہے کیونکہ عاصم جحدری کے باپ نے اس حدیث کو عقبہ بن صہبان سے نقل کیا ہے ۔ عاصم جحدری کے باب کا لقب عجاج ہے اور عجاج کا اصل نام عبداللہ (۱) بن رؤبہ جحدری ہے وہ مخضرم (۲) تابعی ہیں اور مخضرم تابعی کا ثقہ ہونا طے شدہ امر ہے الا یہ کہ جس کے غیر ثقہ ہونے پر واضح ومعتبر دلائل ہیں صرف اسی مخضرم تابعی کو غیر ثقہ مانا جا سکتا ہے اور موصوف عجاج مخضرم تابعی سے ایک سے زیادہ ثقہ رواۃ (راویوں) نے نقل کی ہے جو امام ابن حبان اور اس طرح کے دوسرے تمام ائمہ خصوصاً احناف کے نزدیک ثقہ ہیں نیز ان سے روایت کرنے والوں میں سے ابن قطان بھی ہیں جو صرف ثقہ رواۃ سے روایت کا التزام کرتے ہیں عجاج اور ان کے بیٹوں اور باپ کا ترجمہ وتذکرہ کیلئے تاریخ دمشق لابن عساکر کی طرف رجوع کریں عجاج مخضرم تابعی سے یہ حدیث امام عاصم نے نقل کی ہے جو ثقہ ہیں امام ابن ابی حاتم کی کتاب الجرح والتعدیل میں انھیں بالصراحت ثقہ کہا گیا ہے اور لسان المیز ان میں بھی ۔ عاصم جحدری سے اسے نقل کرنے والے حماد بن سلمہ پختہ کار ثقہ ہیں ۔ ۔حماد بن سلمہ سے اسے روایت کرنے والے شیبان بن فروخ ابی شیبہ حبطی الایلی ثقہ وثبت صدوق ہیں (عام کتب رجال) شیبان بن فروخ سے اس کے ناقل ابوالحریش احمد بن عیسی کلابی (۳) ہیں جن کے کئی ثقات مثلاً ابوالعباس ھشمر دو ابوالقاسم بن محمد بن شعیب بن نھیک بن یزداد بن علی بن بشیر بن زیاد دھستانی وامام ابوبکر اسماعیلی وغیرہ (تاریخ جرجان ص ۶۲، ۳۳۴، ۴۱۴، ۴۸۰) [روایت کرتے ہیں]

ابوالحریش سے اس حدیث کو امام ابوالشیخ بن حیان اصبہانی نے نقل کیا ہے ان کا ثقہ وثبت ہونا بہت واضح ہے عام کتب رجال میں ان کا ترجمہ دیکھا جا سکتا ہے امام ابوالشیخ کثیر التصنیف تھے ان کی کسی کتاب ہی سے اس حدیث کو امام بیہقی نے نقل کیا ہے مگر رسمی طور پر ابوالشیخ اور امام بیہقی کے درمیان ابوبکر احمد بن محمد فقیہ ہیں ظاہر ہے کہ یہ ثقہ ہیں ۔

حدیث مذکور کی پہلی متابعت:

امام بخاری نے اپنی کتاب تاریخ کبیر ترجمہ عقبہ بن ظبیان میں کہا:

طأنبأ موسی بن إسماعيل عن حماد بن سلمة سمع عاصم الجحدری عن أبيه عن عقبة بن

---

(۳) ابوالحریش کا ثقہ وصدوق ہونا ثابت نہیں ہے، ہماری تحقیق میں یہ روایت بلحاظِ سند ضعیف ہے جبکہ مولانا محمد رئیس ندوی حفظہ اللہ کی تحقیق میں یہ روایت یقینی طور پر صحیح ہے، واللہ اعلم

ظبيان عن علي ﴿ فصل لربك وانحر ﴾ وضع يده اليمنى على وسط ساعده على صدره''
یعنی سند مذکور سے مروی ہے کہ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قرآنی آیت مذکور کا یہ معنی بتلایا کہ نمازی بحالت قیام رکوع سے پہلے اپنے داہنے ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ کے ''ساعد'' کے درمیان رکھے اور یہ دونوں ہاتھ سینے پر رہیں۔ (تاریخ کبیر للبخاری ترجمہ عقبہ بن ظبیان ج ۶ ص ۴۳۷ و سنن بیہقی ج ۲ ص ۲۹ و مستدرک ج ۲ ص ۵۳۷، ۵۳۸)

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ اس حدیث کی سند کے مطابق سیدنا علی سے اسے نقل کرنے میں عقبہ بن ظبیان نے اس سے پہلے والی سند میں واقع راوی عقبہ بن صہبان کی متابعت کر رکھی ہے اور عقبہ بن ظبیان سے اسے عجاج نے نقل کی ہے اور عجاج سے اسے عاصم نے نقل کی ہے اور عاصم سے اسے حماد بن سلمہ نے نقل کی اور عجاج و عاصم و حماد بن سلمہ کی توثیق ہم بیان کر آئے ہیں۔ حماد بن سلمہ سے یہ روایت موسیٰ بن اسماعیل نے نقل کی یعنی کہ موسیٰ بن اسماعیل نے اسے حماد سے نقل کرنے میں شیبان بن فروخ الابلی کی متابعت کر رکھی ہے ان دو ثقہ رواۃ کی ایک دوسرے کی متابعت سے اس کی اسنادی قوت میں اضافہ ہو گیا ہے اس سے پہلے والی حدیث کی سند میں واقع ابو الحریش کی معنوی متابعت امام بخاری جیسے بلند پایہ امیر المؤمنین فی الحدیث نے کی ہے اس تفصیل کے مطابق دو سندوں پر مشتمل یہ حدیث یقینی طور پر صحیح ہو گئی ہے جو اس امر کی دلیل صریح ہے کہ خلیفۂ راشد سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آیت مذکورہ کا معنی یہی بتلایا ہے کہ نمازی بحالت قیام دونوں ہاتھ سینے پر باندھے یا رکھے۔

۱۷: حدیث مذکور کی دوسری معنوی متابعت:

''نقل البيهقي عن الإمام البخاري قال لنا قتيبة عن حميد بن عبد الرحمن عن يزيد بن زياد بن ابي الجعد عن عاصم الجحدري عن عقبة من أصحاب علي عن علي رضي الله عنه وضعهما على الكرسوع''

یعنی سیدنا علی (رضی اللہ عنہ) نے اپنے دونوں گٹھوں میں سے بائیں گٹھے پر داہنے گٹھے کو رکھا (سنن بیہقی ج ۲ ص ۲۹)

اس حدیث میں بھی لازمی مطلب وہی بتلایا گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی بیان کردہ تفسیر ﴿ فصل لربك وانحر ﴾ کے مطابق بائیں ہاتھ کے گٹھے پر داہنے ہاتھ کے گٹھے کو رکھتے تھے کیوں کہ اس طریق پر ہاتھ باندھنے سے لازمی طور پر دونوں ہاتھ سینے پر یا سینے سے ذرا سا نیچے رہیں گے اس طریق پر دونوں ہاتھ رکھنے کی صورت میں کسی طرح بھی دونوں ہاتھ ناف کے نیچے یا ناف پر نہیں باندھے جا سکیں گے ہر شخص اس کا تجربہ کر کے خود دیکھ سکتا ہے نیز اس حدیث کو اس سے پہلے والی حدیثوں کے تناظر میں دیکھنے سے اور دونوں قسم کی روایات میں تطبیق و توفیق دینے سے یہی لازم آتا ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ سینے ہی پر ہاتھ باندھتے تھے اور سورہ کوثر والی آیت مذکورہ کی اپنی بیان کردہ تفسیر پر عمل کرتے ہوئے سینے ہی پر ہاتھ باندھتے تھے۔

اس حدیث کے جملہ رواۃ ثقہ ہیں اور سند متصل ہے اس کے اندر باعتبار سند ومتن کسی بھی طرح کی کوئی علت قادحہ نہیں ہے۔

حدیث مذکور کی تیسری معنوی متابعت:

''قال الإمام ابن أبي شيبة: حدثنا وكيع: حدثنا عبد السلام بن شداد الحريري أبو طالوت قال: نا غزوان بن جرير الضبي عن أبيه قال: كان علي إذا قام في الصلوة وضع يمينه على رسغ يساره ولا يزال كذالك حتى يركع متى ماركع إلاأن يصلح ثوبه أو يحك جسده''

یعنی سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ جب نماز میں قیام فرماتے تو اپنے بائیں ہاتھ کے پہنچے (گٹھے) پر داہنا ہاتھ رکھتے اور پورے قیام میں دونوں ہاتھ اسی طرح رکھے رہتے الا یہ کہ اپنے کپڑے کی اصلاح (کی ضرورت) پیش آئے یا جسم پر کہیں کھجلی ہو تو کپڑے کی اصلاح اور کھجلانے والے عضو کو کھجلاتے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ص ۳۹۰ وسنن بیہقی ج ۲ص ۲۹ وصحیح البخاری مع فتح الباری تعلیقاً ج ۳ص ۷۱،۷۲ وعمدۃ القاری شرح صحیح البخاری للعینی ج ۷ص ۲۶۵،۲۶۶)

اس حدیث کا لازمی مطلب ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بحالت قیام نماز میں دونوں ہاتھوں کو ناف کے نیچے یا ناف پر نہیں باندھتے تھے بلکہ اپنے بائیں ہاتھ کے گٹھے پر داہنا ہاتھ رکھتے تھے اور بائیں ہاتھ کے گٹھے پر داہنا ہاتھ رکھ کر ہر آدمی دیکھ سکتا ہے کہ دونوں ہاتھ سینے پر یا سینے سے برائے نام نیچے ہی رکھے جاسکیں گے۔ ناف کے نیچے یا ناف پر ہرگز نہیں رکھے جاسکیں گے اور دونوں طرح سے دومختلف نمازوں یا رکعتوں میں دونوں ہی باتیں ثابت ہیں دونوں میں سے کسی ایک پر عمل کیا جاسکتا ہے یعنی سینے پر یا سینے سے ذرا نیچے۔

مذکورہ حدیث کی تصحیح:

مندرجہ بالا روایت کو غالی ترین اور علمی وتحقیقی میدان کی ابجد سے بھی ناواقف اپنے ابنائے جنس مقلدین حنفیہ کی طرح ابن الترکمانی نے جب دیکھا کہ مذکورہ بالا روایت حنفی مذہب کے خلاف رد بلیغ ہے تو اپنی عادت کے مطابق اسے ضعیف قرار دینے پر تل گئے خصوصاً اس وجہ سے بھی کہ ابن الترکمانی نے دیکھا کہ امام بیہقی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے تو اپنے مقلدانہ ہتھیار کا استعمال کرتے ہوئے کہا:

''جرير أبو غزوان لا يعرف كذا ذكر صاحب الميزان''

یعنی اس سند میں علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے جریر ابوغزوان کو صاحب میزان امام ذہبی نے ''لایعرف'' کہا ہے یعنی کہ موصوف جریر ابوغزوان مجہول وغیر معروف راوی ہے اس لئے روایت مذکور کی سند ساقط الاعتبار ہے۔ جبکہ بیہقی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے یعنی کہ سند حسن سے مروی حدیث چونکہ معتبر وحجت ہونے کی اقسام

سے ہے اس لئے علت مذکورہ کی بنیاد پر ابن الترکمانی نے اپنے ابنائے جنس کی طرح اپنا فرض سمجھا کہ اسے ضعیف وغیر معتبر قرار دیں۔ (ملاحظہ ہوالجوھر النقی مع سنن بیہقی لابن الترکمانی ج۲ص ۲۹،۳۰)

ہم کہتے ہیں کہ اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں تعلیقاً پورے جزم کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اسے متصلاً امام بخاری کے استاد مسلم بن ابراھیم اور ابن ابی شیبہ نے نقل کیا ہے (فتح الباری مع البخاری کتاب العمل فی الصلوۃ ج۳ص ۷۲ نیز ملاحظہ ہو عمدۃ القاری مع صحیح البخاری ج۷ص ۲۶۵،۲۲۶، وغیرہ) اور امام بخاری کی تعلیق بالجزم ہو تو وہ معتبر اور کم از کم حسن ہوتی ہے انھیں حافظ ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا، (ثقات ابن حبان ج۴ص ۱۰۸) اور توثیق کے بالمقابل تجھیل کالعدم ہے لہذا ان کا ثقہ ہونا برقرار ہے لہذا انھیں ابن الترکمانی کا ذھبی کے حوالہ سے " لا یعرف " کہنا سراسر غلط ہے نیز امام بیہقی نے زیر نظر حدیث کو نقل کرتے ہوئے کہا کہ جریر کو علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے بہت لگاؤ تھا چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں " **أنه كان شديد اللزوم لعلي بن أبي طالب** " (سنن بیہقی ج۲ص ۲۹) جریر تابعی بھی ہیں جریر سے اس حدیث کو ان کے بیٹے غزوان بن جریر نے نقل کیا ہے اور ان سے یہ حدیث نقل کرنے والے ان کے صاحب زادے بھی انھیں کی طرح ثقہ ہیں۔

غزوان سے اس حدیث کے راوی عبداللہ بن شداد ابو حازم عبدی قیسی ابو طالوت بصری ثقہ ہیں (تہذیب التہذیب ج۶ص ۲۸۲) عبدالسلام سے اس کے ناقل امام وکیع ہیں اور وکیع سے اسے امام ابن شیبہ نے نقل کیا یہ سند متصل ہے اور اپنے متعدد شواہد و متابع سے مل کر حسن سے بڑھ کر صحیح قرار پاتی ہے۔

مسیحی مذہب میں خدا کا تصور

حافظ زبیر علی زئی

مسیحی (حضرات) کا یہ دعویٰ ہے کہ ''بائبل: کتاب مقدس یعنی پرانا اور نیا ''عہد نامہ'' اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس میں تمام مندرجہ کتابیں آسمانی وحی کے ذریعے لکھی گئی ہیں۔ عہد نامہ قدیم ہو یا جدید، بائبل کی ہر بات حق، سچ اور صحیح ہے''، مسیحی ''علماء'' اور عوام اس بائبل میں کسی قسم کی تحریف، تبدیلی، غلطی یا تضادات تسلیم نہیں کرتے، بلکہ وہ ہمیشہ اسی میں کوشاں ہیں کہ تمام لوگ اس بائبل کو خدا (اللہ تعالیٰ) کا کلام تسلیم کر کے پولس کے دین مسیحیت میں داخل ہو جائیں۔

راقم الحروف کا پولس کو ماننے والے مسیحیوں کے اپنے مذہبی سکول: زیڈ بی آئی اٹک (پاکستان) میں ایک مناظرہ ہوا تھا جس میں اُن کے مناظر برکت مسیح نے دلائل سے مجبور ہو کر یہ تسلیم کر لیا تھا کہ بائبل میں تناقض و تعارض موجود ہے۔ اس کے بعد برکت مسیح صاحب نے مناظرے سے انکار کر دیا اور اپنے مذہبی سکول میں ہمیں بیٹھا چھوڑ کر اپنے پیروکاروں کے ساتھ راہِ فرار اختیار کی، والحمدللہ

یاد رہے کہ قرآن مجید جس تورات اور انجیل کی تصدیق کرتا ہے، اس سے مراد مسیحی مروجہ بائبل نہیں ہے۔ بلکہ وہ تورات اور انجیل ہے جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائیں۔

بائبل میں موجود تورات و انجیل اور دوسری کتابیں محرف شدہ اور تبدیل شدہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ﴾ (سورۃ المائدۃ:۱۳)

ترجمہ: کتاب اللہ کے کلمات کو ان کے موقع و محل سے بدل دیتے ہیں (تیسیر القرآن ج۱ص۴۹۴ مترجم مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ) یعنی یہودی احبار و رھبان، کتاب اللہ میں تحریف کرتے ہیں۔

اہل اسلام کے مشہور ثقہ و جلیل القدر مفسرِ قرآن امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۰ھ) اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ: **''فيبدلونه ويكتبون بأيديهم غير الذي أنزله الله''**

پس وہ اسے بدل دیتے ہیں اور اپنے ہاتھوں سے (اس میں) وہ لکھتے ہیں جسے اللہ نے نازل نہیں فرمایا (تفسیر طبری، جامع البیان ج۶ص۱۰۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد اور جلیل القدر مفسرِ قرآن صحابی سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

''وقد حدّثكم أن أهل الكتاب بدّلوا كتاب الله وغيّروه وكتبوا بأيديهم الكتاب وقالوا: هو من

عند الله " إلخ اور یقیناً تمہیں بتایا گیا ہے کہ بے شک اہلِ کتاب نے کتاب اللہ کو بدل دیا۔ اس میں تغیر کر دیا۔ اور اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھی اور کہا: یہ اللہ کی طرف سے ہے (صحیح البخاری ج۲ص۱۰۹۴ ح۷۳۶۳ کتاب الاعتصام باب قول النبی ﷺ لا تسألوا أهل الكتاب عن شيء)

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾

اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے۔ اور وہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں اور وہ یہ جانتے ہیں۔ (آل عمران: ۷۸)

اس تمہید کے بعد پولسی مسیحیوں (عرفِ عوام میں: عیسائیوں) سے ان کے اپنے خدا کے بارے میں عقائد و نظریات پیشِ خدمت ہیں۔

(۱) خدا نے کھانا کھایا

بائبل میں لکھا ہوا ہے کہ:

''پھر خداوند ممرے کے بلوطوں میں اُسے نظر آیا اور وہ دن کو گرمی کے وقت اپنے خیمے کے دروازہ پر بیٹھا تھا۔ اور اُس نے اپنی آنکھیں اُٹھا کر نظر کی اور کیا دیکھتا ہے کہ تین مرد اُسکے سامنے کھڑے ہیں۔ وہ اُن کو دیکھ کر خیمہ کے دروازہ سے اُن سے ملنے کو دوڑا اور زمین تک جُھکا۔ اور کہنے لگا کہ اَے میرے خداوند اگر مجھ پر آپ نے کرم کی نظر کی ہے تو اپنے خادم کے پاس سے چلے نہ جائیں۔ بلکہ تھوڑا سا پانی لایا جائے اور آپ اپنے پاؤں دھو کر اُس درخت کے نیچے آرام کریں۔ میں کچھ روٹی لاتا ہوں۔ آپ تازہ دم ہو جائیں۔ تب آگے بڑھیں کیونکہ آپ اسی لئے اپنے خادم کے ہاں آئے ہیں۔ اُنہوں نے کہا جیسا تُو نے کہا ہے وَیسا ہی کر۔ اور ابرہام ڈیرے میں سارہ کے پاس دَوڑا گیا اور کہا کہ تین پیمانہ باریک آٹا جلد لے اور اُسے گوندھ کر پُھلکے بنا۔ اور ابرہام گلّہ کی طرف دَوڑا اور ایک موٹا تازہ بچھڑا لا کر ایک جوان کو دِیا اور اُس نے جلدی جلدی اُسے تیار کیا۔ پھر اُس نے مکھن اور دُودھ اور اُس بچھڑے کو جو اُس نے پکوایا تھا لیکر اُن کے سامنے رکھا اور آپ اُن کے پاس درخت کے نیچے کھڑا رہا اور اُنہوں نے کھایا۔'' (مسیحی: کتاب مقدس' بائبل یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ ص۷ اپیدائش باب ۱۸ فقرہ:۱ تا ۸، شائع کردہ: بائبل سوسائٹی، انارکلی لاہور)

اس عبارت سے (دو باتیں) معلوم ہوئیں:

۱: خدا اور فرشتوں نے کھانا کھایا۔

۲: خدا کو یہ معلوم نہیں تھا کہ سدوم اور عمورہ والے (قوم لوط) سنگین جرم کرتے تھے لہٰذا خدا اصل بات معلوم کرنے (یعنی تحقیق) کے لئے وہاں خود جا رہا تھا۔

''کیونکہ خدا کی بے وقوفی آدمیوں کی حکمت سے زیادہ حکمت والی ہے اور خدا کی کمزوری آدمیوں کے زور سے زیادہ زور آور ہے'' (عہد نامہ جدید ص ۱۵۴ کرنتھیوں کے نام پولس کا پہلا خط باب ۱، فقرہ: ۲۵)

یونانی انجیل میں لکھا ہوا ہے کہ:

کا معنی اسی یونانی انجیل کے آخر میں foolish لکھا ہوا ہے (ص ۱۱۹) کا ترجمہ God ہے (ص ۸۳)

تنبیہ: مسیحیوں کے کیتھولک فرقے کی بائبل ''کلام مقدس کا عہد عتیق وجدید'' میں مذکور فقرے کا غلط ترجمہ کر کے نیچے حاشیے میں تحریف کر دی گئی ہے (دیکھئے جدید ص ۲۱۷ قرنتیوں کے نام: ۱ باب ۱، فقرہ: ۲۵)

تبصرہ: مذکورہ بالا حوالے میں پولس نے اپنے خدا سے بے وقوفی کو منسوب کیا ہے، جو کہ ہر لحاظ سے باطل بلکہ کائنات کا بہت بڑا جھوٹ ہے۔

(۴) مسیحیوں کا خدا اور شیطان

بائبل میں لکھا ہوا ہے کہ:

''اس کے بعد خداوند کا غصہ اسرائیل پر پھر بھڑکا اور اس نے داود کے دل کو ان کے خلاف یہ کہہ کر ابھارا کہ جا کر اسرائیل اور یہوداہ کو گن'' (بائبل ص ۳۲۲، سموئیل: ۲ باب ۲۴ فقرہ: ۱)

جب کہ دوسری جگہ لکھا ہوا ہے کہ:

''اور شیطان نے اسرائیل کے خلاف اُٹھ کر داؤد کو ابھارا کہ اسرائیل کا شمار کرے''

(بائبل ص ۴۱۳، تواریخ: ۱، باب ۲۰ فقرہ: ۱)

(۵) خدا کی شکست

بائبل میں لکھا ہوا ہے کہ:

''اور خداوند یہوداہ کے ساتھ تھا۔ سو اُس نے کوہستانیوں کو نکال دیا پر وادی کے باشندوں کو نہ نکال سکا کیونکہ اُن کے پاس لوہے کے رتھ تھے۔'' (ص ۲۲۹، قضاۃ باب ۱، فقرہ: ۱۹)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ یہود ونصاری کے نزدیک (معاذ اللہ) خدا لوہے کے رتھوں والے، وادی کے باشندوں کو شکست نہ دے سکا۔

ایک دوسرا عجیب وغریب حوالہ پڑھ لیں، بائبل ''فرماتی'' ہے:

''کیونکہ رب الافواج اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ دُختر بابل کھلیہان کی مانند ہے جب اُسے روندنے کا وقت آئے۔ تھوڑی دیر ہے کہ اسکی کٹائی کا وقت آپہنچیگا۔
شاہِ بابل نبوکدرضر نے مجھے کھالیا۔ اس نے مجھے شکست دی ہے۔ اس نے مجھے خالی برتن کی مانند کر دیا۔ اژدھا کی مانند وہ مجھے نگل گیا۔ اُس نے اپنے پیٹ کو میری نعمتوں سے بھرلیا۔ اس نے مجھے نکال دیا''
(بائبل ص ۷۶۹ یرمیاہ باب ۵۱ فقرہ: ۳۴،۳۳)

(۶) خدا کا آرام کرنا

بائبل میں لکھا ہوا ہے کہ:
''میرے اور بنی اسرائیل کے درمیان یہ ہمیشہ کے لئے ایک نشان رہیگا اسلئے کہ چھ دن میں خداوند نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور ساتویں دن آرام کر کے تازہ دم ہوا'' (ص ۸۴ خروج باب ۳۱ فقرہ: ۱۷)
اس عبارت سے معلوم ہوا کہ یہود و نصاری کے نزدیک (معاذ اللہ) خدا تھک گیا تھا۔

(۷) خدا کا افسوس

بائبل میں لکھا ہوا ہے کہ:
''تب خداوند کا کلام سموئیل کو پہنچا کہ: مجھے افسوس ہے کہ میں نے ساؤل کو بادشاہ ہونے کے لے مقرر کیا کیونکہ وہ میری پیروی سے پھر گیا ہے اور اس نے میرے حکم نہیں مانے'' (ص ۲۷۳،۲۷۴، ۱سموئیل باب ۱۵ فقرہ: ۱۰، ۱۱)

(۸) خدا کا ننگا ہونا اور گیدڑوں کی طرح چلانا

بائبل میں لکھا ہوا ہے کہ:
''سامریہ اور یروشلیم کی بابت خداوند کا کلام جو شاہانِ یہوداہ یوتام و آخز و حزقیاہ کے ایام میں میکاہ مورشتی پر رویا میں نازِل ہوا۔ اَے سب لوگو سنو! اے زمین اور اُس کی معموری کان لگاؤ! اور خداوند خدا اہاں خداوند اپنے مقدس مسکن سے تم پر گواہی دے۔ کیونکہ دیکھ خداوند اپنے مسکن سے باہر آتا ہے اور نازل ہو کر زمین کے اُونچے مقاموں کو پایمال کریگا۔ اور پہاڑ اسکے نیچے پگھل جائینگے اور وادیاں پھٹ جائینگی جیسے موسم آگ سے پگھل جاتا اور پانی کراڑے پر سے بہہ جاتا ہے۔ یہ سب یعقوب کی خطا اور اسرائیل کے گھرانے کے گناہ کا نتیجہ ہے۔ یعقوب کی خطا کیا ہے؟ کیا سامریہ نہیں؟ اور یہوداہ کے اونچے مقام کیا ہیں؟ کیا یروشلیم نہیں؟ اسلئے میں سامریہ کو کھیت کے تودے کی مانند اور تاکستان لگانے کی جگہ کی مانند بناؤنگا اور میں اُسکے پتھروں کو وادی میں ڈھلکاؤنگا اور اُسکی بُنیاد اکھاڑ دُونگا۔ اور اسکی سب کھودی ہوئی مورتیں چور چور کی جائینگی اور جو کچھ اُس نے اُجرت میں پایا آگ سے جلایا جائیگا اور میں اسکے سب بتوں کو توڑ ڈالونگا کیونکہ اس نے یہ سب کچھ کسبی کی اُجرت سے پیدا کیا ہے اور وہ پھر کسبی کی اجرت ہو جائیگا۔ اسلئے میں ماتم و نوحہ کرونگا۔ میں ننگا اور برہنہ ہو کر پھرُونگا۔ میں گیدڑوں کی طرح چلاؤنگا اور شُتر مرغوں کی مانند غم کرؤنگا۔ کیونکہ اُسکا زخم لاعلاج ہے۔ وہ یہوداہ تک بھی آیا۔ وہ میرے لوگوں کے پھاٹک تک بلکہ یروشلیم تک پہنچا'' (ص ۸۶۸، ۸۶۹ میکاہ باب ۱، فقرہ: ۱، ۹)

معلوم ہوا کہ مسیحیوں کا خدا ننگا اور برہنہ ہو کر پھرتا، گیدڑوں کی طرح چلاتا اور شترمرغوں کی مانند غم کرتا ہے (معاذ اللہ)

(۹) خدا کا غم

بائبل میں لکھا ہوا ہے کہ:

''خداوند زمین پر انسان کو پیدا کرنے سے ملول ہوا اور دل میں غم کیا۔ اور خداوند نے کہا کہ میں انسان کو جسے میں نے پیدا کیا رُوئے زمین پر سے مٹا ڈالونگا۔ انسان سے لے کر حیوان اور رینگنے والے جاندار اور ہوا کے پرندوں تک کیونکہ میں ان کے بنانے سے ملول ہوں مگر نوح خداوند کی نظر میں مقبول ہوا'' (ص ۹ پیدائش باب ٦ فقرہ: ٦، ٨)

ملول کا مطلب ہے ''اداس، رنجیدہ، غمگین'' (فیروز اللغات اردو جامع ص ۱۲۸۵)

معلوم ہوا کہ مسیحیوں کا خدا اداس، رنجیدہ اور غمگین ہوتا ہے (معاذ اللہ)

(۱۰) مسیحی خدا کے نتھنوں سے دھواں؟

بائبل میں مسیحی خدا کے بارے میں لکھا ہوا ہے کہ:

''اس کے منہ سے جلتی مشعلیں نکلتی ہیں، اور آگ کی چنگاریاں اڑاتی ہیں۔ اُسکے نتھنوں سے دھواں نکلتا ہے گویا کھولتی دیگ اور سلگتے سرکنڈے سے۔ اس کا سانس کوئلوں کو دہکا دیتا ہے اور اس کے منہ سے شعلے نکلتے ہیں''

(ص ۵۲۷، ۵۲۸ ایوب باب ۴۱ فقرہ: ۱۹ تا ۲۱)

ان دس حوالوں سے معلوم ہوا کہ مسیحی (عیسائی) حضرات کی تصنیف کردہ بائبل، جسے وہ خدا کا کلام اور آسمانی کتاب سمجھتے ہیں، خدا (اللہ تعالیٰ) کی گستاخیوں سے بھری ہوئی ہے۔ لہذا مروجہ بائبل نہ تو آسمانی والہامی کتاب ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کا یہ کلام ہے۔ اللہ کے کلام تورات اور انجیل کو ان لوگوں کے اسلاف نے تحریف کر کے بدل دیا ہے، ایک انجیل کی چار انجیلیں بنا دی ہیں۔

تورات جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اُس میں ان لوگوں نے تحریف کر کے کہ لکھ دیا ہے کہ:

''پس خداوند کے بندہ موسیٰ نے خداوند کے کہے کے موافق وہیں موآب کے ملک میں وفات پائی۔ اور اس نے اسے موآب کی ایک وادی میں بیت فغور کے مقابل دفن کیا پر آج تک کسی آدمی کو اُسکی قبر معلوم نہیں اور موسیٰ اپنی وفات کے وقت ایک سوبیس برس کا تھا اور نہ تو اُسکی آنکھ دھندلانے پائی اور نہ اُسکی طبعی قوت کم ہوئی''

(بائبل ص ۲۰۲، استثناء باب ۳۴ فقرہ: ۵ تا ۷)

یہ کیسی تورات ہے جس میں موسیٰ علیہ السلام کے وفات پا جانے کا قصہ لکھا ہوا ہے، اور یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ ''آج تک کسی آدمی کو اُس کی قبر معلوم نہیں'' کیا یہ بائبل اللہ کا کلام ہے جو اُس نے موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا تھا؟ ہرگز نہیں، بلکہ یہ یہودیوں وعیسائیوں کی محرف شدہ تورات وانجیل اور بائبل ہے جسے یہ لوگ آسمانی والہامی کتاب منوانے کے لئے اپنی پوری طاقت سے، دن رات کوشاں ہیں۔ واللہ من ورائھم محیط وما علینا إلا البلاغ

(۲۱ ستمبر ۲۰۰۴ء)

حدیث سے محبت

حافظ شیر محمد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل، تقریر اور سنت کو محدثین کی اصطلاح میں حدیث کہتے ہیں۔ یعنی حدیث ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام اور سنت ہے، اصول فقہ اور اصول حدیث میں سنت اور حدیث کو مترادف سمجھا جاتا ہے (دیکھئے التقریر والتحبیر ۲/ ۲۹۷ وتعریفات الجرجانی ص ۵۴ وعلوم الحدیث/ ڈاکٹر صبحی صالح ص ۱۷، ۲۴ ومعجم مصطلحات الحدیث ولطائف الاسانید ص ۱۸۳)

سنت کے معلوم کرنے کا صرف ایک ہی ذریعہ یعنی حدیث ہے۔ ہر مسلمان جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے۔ وہ آپ کی صحیح وثابت ہر حدیث سے بھی محبت کرتا ہے، یہ ہمارے ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَا عَ اللّٰهَ﴾ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی (النساء:۸۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

''فمن أطاع محمداً صلى الله عليه وسلم فقد أطاع الله ، ومن عصى محمداً فقد عصى الله ''

پس جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی تو اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی تو اس نے اللہ کی نافرمانی کی (البخاری:۷۲۸۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد: اب قیامت تک آپ کی اطاعت آپ کی احادیث پر عمل کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''يوشك الرجل متكأً على أريكته يُحدّث بحديث من حديثي فيقول : بيننا وبينكم كتاب الله عزوجل فما وجدنا فيه من حلال استحللناه ،وما وجدنا فيه من حرام حرّمناه ، ألا وإن ما حرّم رسول الله صلى الله عليه وسلم مثل ماحرّم الله ''

قریب ہے کہ کوئی آدمی تکیئے پر ٹیک لگائے ہو، اسے میری حدیثوں میں سے کوئی حدیث سنائی جائے تو وہ کہنے لگے: ہمارے اور تمھارے درمیان کتاب اللہ ہے۔ ہم اس میں جو حلال پائیں گے اُسے حلال سمجھیں گے اور اس میں جو حرام پائیں گے اُسے حرام سمجھیں گے، خبردار (سُن لو) بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جسے حرام قرار دیا ہے وہ اسی طرح حرام ہے جیسے اللہ نے حرام کیا ہے (ابن ماجہ:۱۲ وإسنادہ حسن، الترمذی:۲۶۶۴ وقال: ''حسن غریب'' وصححہ الحاکم ۱۔۱۰۹)

امام زھری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''اللہ کی طرف سے پیغام بھیجنا اور اس کے رسول پر اللہ کا پیغام پہنچانا اور ہمارے اوپر اس کا تسلیم کرنا ہے'' (صحیح البخاری ج ۸ ص ۶۲۴ قبل ح ۷۵۳۰ طبع: مکتبہ قدوسیہ لاہور)

صحیح العقیدہ مسلمان کا یہ عقیدہ وعمل ہوتا ہے کہ پیارے نبی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح وثابت احادیث کو سر آنکھوں پر رکھتا ہے۔

الحدیث نمبر 1

صفحہ نمبر	مضمون	مصنف
2	فقہ الحدیث	حافظ زبیر علی زئی
4	کلمۃ الحدیث	حافظ زبیر علی زئی
6	صحیح نماز نبوی	حافظ زبیر علی زئی
20	فضائل یوم الجمعہ	حافظ ندیم ظہیر
22	توضیح الاحکام۔ شرک کا مفہوم۔ عذاب قبر۔ سینے یا ناف پر ہاتھ باندھنے کا حکم	حافظ زبیر علی زئی
30	جماعت المسلمین، خلیفہ اور تکفیر	سید محب اللہ شاہ راشدی
35	حاجی اللہ دتہ صاحب	حافظ زبیر علی زئی
44	رسول اللہ ﷺ سے محبت	حافظ شیر محمد
45	غیر منقوطہ نظم	توقیر علی زئی

الحدیث نمبر 2

صفحہ نمبر	مضمون	مصنف
2	فقہ الحدیث (حدیث جبریل)	حافظ زبیر علی زئی
4	کلمۃ الحدیث (اظہار تشکر)	حافظ زبیر علی زئی
5	اندھیرے اور مشعل راہ	حافظ زبیر علی زئی
20	زبان کی حفاظت	حافظ ندیم ظہیر

23	توضیح الاحکام/شرح السنۃ لبربہاری/حدیث عائشہ رضی اللہ عنھا کا مفہوم/رہوا ناقص وضو ہے	حافظ زبیر علی زئی
33	تذکرۃ الاعیان محبّ اللہ شاہ الراشدی کی یاد میں	حافظ زبیر علی زئی
41	اصول دین	ترجمہ حافظ زبیر علی زئی
46	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے محبت	ابوالعباس حافظ شیر محمد
	احسن الحدیث (اندرونی ٹائٹل)	حافظ ندیم ظہیر

الحدیث نمبر 3

صفحہ نمبر	مضمون	مصنف
	احسن الحدیث (راہ ہدایت، اندرونی ٹائٹل)	ضیاء الحق عاصم
2	فقہ الحدیث (ارکان اسلام و ایمان)	حافظ زبیر علی زئی
4	کلمۃ الحدیث (وقت کا تقاضا)	حافظ ندیم ظہیر
5	جنت کا راستہ	حافظ زبیر علی زئی
27	توضیح الاحکام/صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھنا/ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام/طارق جمیل صاحب کی روایتیں	حافظ زبیر علی زئی
37	نزول مسیح علیہ السلام حق ہے	حافظ زبیر علی زئی
47	تابعین عظام سے محبت	حافظ شیر محمد

الحدیث نمبر 4

صفحہ نمبر	مضمون	مصنف
2	فقہ الحدیث (حیاء اور ایمان کے درجے)	حافظ زبیر علی زئی

حافظ ندیم ظہیر	کلمۃ الحدیث (اظہار خوشی مگر کیسے)	4
حافظ عبدالحمید ازھر	فضائل اعمال اور ضعیف احادیث	5
حافظ زبیر علی زئی	توضیح الاحکام رقبلہ رخ اذان ررافضیوں پر رد رالخیرات الحسان کی حیثیت رسورۃ الملک کی تلاوت	8
حافظ زبیر علی زئی	عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما	23
ڈاکٹر ابوجابر عبداللہ دامانوی	نبی ﷺ کا حاضر وناظر ہونا؟	32
حافظ زبیر علی زئی	نزول مسیح علیہ السلام حق ہے	35
حافظ شیر محمد	علمائے حق سے محبت	45
ابومعاذ بن مجدد	شذرات الذہب	48

الحدیث نمبر 5

مصنف	مضمون	صفحہ نمبر
حافظ ندیم ظہیر	احسن الحدیث	2
حافظ زبیر علی زئی	فقہ الحدیث (بہترین مسلمان)	3
حافظ ندیم ظہیر	کلمۃ الحدیث (فیشن کی لہر)	5
حافظ زبیر علی زئی	پندرہ شعبان کی رات	6
حافظ زبیر علی زئی	توضیح الاحکام رمصنف عبدالرزاق اور نور والی روایت رکتاب سے استدلال کی شرائط رترکِ رفع یدین	16
حافظ ندیم ظہیر	فضائل سلام	26
حافظ زبیر علی زئی	نورالمصابیح فی مسئلۃ التراویح	30
حافظ شیر محمد	اللہ کے مؤمن بندوں سے محبت	44
ابومعاذ بن مجدد	شذرات الذہب	48

الحدیث نمبر 6

مصنف	مضمون	صفحہ نمبر
حافظ ندیم ظہیر	احسن الحدیث (نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت)	2
حافظ زبیر علی زئی	فقہ الحدیث (رسول اللہ سے پیار سب سے زیادہ)	3
عطاء اللہ سلفی	کلمۃ الحدیث	4
حافظ زبیر علی زئی	حدیث قسطنطنیہ اور یزید	5
حافظ زبیر علی زئی	توضیح الاحکام/ چند روایات کی تخریج/ امام بخاری کی بینائی واپس/ تکبیریں، امام جہرا مقتدی سراً/ ابوھریرۃ اور تدلیس؟	10
حافظ زبیر علی زئی	نزول مسیح علیہ السلام حق ہے	23
ابو معاذ بن مجدد	محدث محمد فاخر الہ آبادی اور تقلید	36
شیخ محمد رئیس ندوی	نماز میں بحالت قیام ہاتھ باندھنے کا حکم	37
حافظ شیر محمد	قرآن مجید سے محبت	48

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

عطاء اللہ سلفی

حضور ﷺ کی ازواج مطہرات میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا نام بڑی عزت واحترام سے لیا جاتا ہے۔ ان کا اصل نام خدیجۃ الکبریٰ اور لقب طاہرہ ہے۔ حضور ﷺ سے چالیس سال کی عمر میں نکاح ہوا جبکہ آپ کی عمر 25 سال کی تھی۔ تقریباً 25 برس تک حضور ﷺ کی خدمت میں رہیں، 65 برس کی عمر میں نبوت کے دسویں سال ماہِ رمضان میں ان کی وفات ہوئی۔ زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہم کی ماں کا تذکرہ اس لحاظ سے بھی بڑا اہم ہے کہ حضور ﷺ کی بیٹیوں کی تعلیم وتربیت ان کی ماں نے کس طرح کی اور اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے۔ سلیقہ مندی، وفاشعاری، صبر وشکر کی صفت جو خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ فاطمہ، رقیہ اور زینب وام کلثوم رضی اللہ عنہم میں آئی اس کی خاص وجہ ہی یہ تھی کہ حضور ﷺ نے اپنی گھریلو زندگی کو اس طرح پیش کیا کہ بچیوں کی تربیت اور ان کو سلیقہ شعار بنانے میں خدیجۃ الکبریٰ کا نام ہمیشہ جلی حروف سے لکھا جائے گا۔ ان کی عظمت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم انسانیت میں دو عظیم عورتیں حضرت مریم علیہا السلام اور خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو عظیم مرتبہ عطا فرمایا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا ایسی محبوب زوجہ مطہرہ ایک بار حضور ﷺ کو ملول دیکھ کر فرماتی ہیں کہ آپ اس بوڑھی عورت کو کیوں یاد کرتے ہیں۔ تو حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ اے عائشہ! ایسا نہ کہو ان کی محبت مجھے اللہ تعالیٰ نے بخشی ہے۔ جب لوگوں نے میری تکذیب کی انہوں نے میری تصدیق کی۔ جب لوگوں نے مجھے بے سہارا کرنا چاہا انہوں نے مجھے سہارا دیا اور میری مدد کی۔ سب سے پہلی شخصیت اسلام سے مشرف ہونے والی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی ہے اور سب سے پہلے نماز پڑھنے کا شرف انہیں حاصل ہوا۔ سب سے بڑھ کر جنتی عورتوں کی سردار فاطمہ رضی اللہ عنہا کی والدہ کی حیثیت سے ہمیشہ زندہ رہیں گی۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، مردوں میں بہت سے حضرات کامل ہوئے۔ لیکن عورتوں میں سے صرف چار عورتیں کمال رتبہ کو پہنچیں! جن میں سے ایک حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں (صحیح بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی پاک ﷺ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اے اللہ کے رسول ﷺ یہ خدیجہ رضی اللہ عنہا تشریف لا رہی ہیں۔ ان کے پاس ایک برتن ہے جس میں کھانا یا کوئی مشروب ہے۔ جب وہ آپ کے پاس پہنچیں تو آپ ﷺ انہیں ان کے رب کی طرف سے سلام کہیں اور جنت میں موتی کے ایک محل کی بشارت دیں جس میں نہ کوئی شور وغل ہوگا اور نہ ہی تھکاوٹ نام کی کوئی چیز ہوگی (صحیح بخاری)